قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا چھٹا وعظ مسمیٰ

تعظیم العلم

مع

تقسیم العلم

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ وکعبہ مرشدی و مولائی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمایش جناب مولوی عبد الوہاب صاحب

احقر شبیر علی عفی عنہ کے اہتمام سے

مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں طبع گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هذا الوعظ المسمی به

تعظیم العلم

مع

تقسیم العلم

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	اشتات	من ضبط	المستمعین	الاشتات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] ۵۰۰	[illegible]

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتٰب منیر۔

یہ ایک آیت ہے سورہ لقمٰن کی اسمیں حق تعالیٰ نے اپنے بعضے دلائل توحید ارشاد فرماکر منکرین توحید کی شکایت کی ہے اور اُنکا انکار چونکہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے اسلئے اسکو مجادلہ سے تعبیر فرمایا ہے یہ حاصل ہے اس آیت کا۔ لیکن میرا مقصود اسوقت مضمون توحید کو بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ یہاں کوئی مخاطب توحید کا منکر نہیں بلکہ مجکو علم دین کی ضرورت اور اُسکے بعضے انواع کیطرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور یہ مضمون

اگرچہ منطوقاً اس آیت کا مدلول نہیں ہے مگر اس سے مفہوم ضرور ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ تقریر استدلال سے واضح ہو جائیگا پس یہ آیت توحید پر تو صراحۃً دلالت کرتی ہے اور علم کی ضرورت اور اُسکے اقسام پر اشارۃً دلالت کر رہی ہے اور چونکہ اسوقت ایک علمی مقام میں بیان ہو رہا ہے اور میرا معمول ہمیشہ یہ ہے کہ مناسب محل مضمون بیان کیا کرتا ہوں اسلیئے دوسرے مضمون کو جو اشارۃً اس آیت سے مستنبط ہو رہا ہے اختیار کرنے میں ترجیح دیگئی۔ لیکن ربط کے لیئے دلیل توحید کو بھی بیان کر دینا مناسب ہے کیونکہ ضرورت علم کی طرف اس آیت کے دوسرے جزو میں اشارہ ہے اور پہلے جزو میں صرف توحید کی دلیل مذکور ہے تو پوری آیت کی تفسیر اُسی وقت سمجھ میں آ دیگی جبکہ دونوں اجزار کو بیان کر دیا جائے مگر پہلے جزو کا بیان محض ربط ہی کیلیئے ہوگا اور اصل مقصود علم کے متعلق بیان ہے جو کہ دوسرے جزو میں مذکور ہے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ وہ توحید کی دلیل کیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض اس میں خطاب ہے عقلار کو کہ کیا تمنے دیکھا نہیں کہ حق تعالیٰ نے کام میں لگا رکھا ہے تمہاری تمام چیزوں کو جو کچھ کہ آسمانوں میں موجود ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں موجود ہیں۔ یہاں سخر لکم کے معنی وہ مراد نہیں ہیں جو اردو محاورہ میں تسخیر کے لفظ سے متبادر ہوتے ہیں اور وہ معنی محل اشکال بھی ہیں لیکن منشار اُس اشکال کا محض خلط محاورہ ہے اور یہ مزلہ ہے اہل علم کیلیئے بعض علمار بھی محاورات السنہ میں فرق نہیں کرتے اسلیئے اُنکو قرآن میں اشکالات پیش آ جاتے ہیں لیکن اہل علم کو پھر بھی یہ غلطی کم واقع ہوتی ہے کیونکہ اُنمیں اکثر حضرات محاورات و لغات میں فرق جانتے ہیں البتہ ترجمہ دیکھنے والوں کو یہ غلطی زیادہ پیش آتی ہے کیونکہ وہ محض ترجمہ ہی کو دیکھتے ہیں اور لغات عربیہ و محاورات قرآن سے وہ بالکل ناواقف ہوتے ہیں پس یہ لوگ اکثر قرآن کے محاورات کو اپنی زبان کے محاورات پر قیاس کر کے غلطی میں پڑ جاتے ہیں سو ممکن ہے کہ کسی نے سخر لکم کا ترجمہ کسی جگہ یہ دیکھا ہو کہ مسخر کر دیا تمہارے لیئے، پھر اُسکو محاورہ اردو و عربی میں خلط ہو گیا ہو اور اُسنے تسخیر کے لفظ کو اردو محاورہ پر محمول کیا ہو اور دوسرے معنی کیطرف اُس کا ذہن پہنچ گیا ہو کیونکہ اُسکے ذہن میں تسخیر کے وہی معنی بسے ہوئے ہیں جو محاورہ اردو میں مستعمل ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان کے ذہن میں جو بات بسی ہوئی ہوتی ہے اسیطرف اُس کا ذہن منتقل ہوا کرتا ہے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت استاذ علیہ الرحمۃ نے دیوبند میں مجھے مسئلہ تصور شیخ کی تحقیق لکھکر دی تھی کہ اس کو صاف کر دو۔ کسی نے حضرت سے اس مسئلہ کی بابت سوال کیا تھا جسکے جواب میں آپ نے وہ تحقیق لکھی تھی مسئلہ تصور شیخ صوفیہ کا ایک شغل ہے جو زمانہ قدیم میں رائج تھا لیکن اب محققین نے اس شغل سے منع کر دیا ہے کیونکہ اب عقول سے سلامتی رخصت ہو گئی ہے بہت لوگ اس شغل سے غلطی اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں باقی اگر کسی سالک کی فہم سلیم ہو تو اب بھی اسکی تعلیم کا مضائقہ نہیں رفع خطرات

فائدہ ربط مضمون

فائدہ تسخیر کے معنی اور غلط محاورات کی غلطی سے تنبیہ

فائدہ انتقال ذہن کا سبب ... اور مسئلہ تصور شیخ

وحصول الحیوٰۃ کیواسطے یہ شغل بہت نافع ہے۔ غرض میں اس مسئلہ کی نقل لکھ رہا تھا کہ ایک نووارد طالبعلم جو ابتک معقول میں منہمک تھے میرے پاس تشریف لائے اور مجھسے پوچھنے لگے کہ کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا کہ تصورِ شیخ کا مسئلہ لکھ رہا ہوں تو آپ بیساختہ فرماتے ہیں کہ شیخ بو علی سینا کا۔ بس اُس غریب کے نزدیک وہی ایک شیخ تھا اور تو سب جلاہے ہی تھے سو اس کا منشا یہی تھا کہ معقول پڑھنے کیوجہ سے اُنکے ذہن میں شیخ بو علی سینا ایسا بسا ہوا تھا کہ شیخ کا لفظ سنکر ادھر ہی ذہن منتقل ہوتا تھا دوسری طرف اُنکا خیال نگیا کہ کوئی اور بھی شیخ ہو سکتا ہے یہ ایک فطری امر ہے کہ جب علوم میں وسعت نہیں ہوتی تو ہر شخص ہر بات کو اپنے علم ہی پر محمول کرتا ہے یعنی جو بات اُسکے ذہن میں بسی ہوئی ہے اُسی کیطرف انتقال ذہن ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ناقص الفہم لوگوں نے صفات الٰہیہ کو اپنی صفات پر قیاس کیا قرآن میں حق تعالیٰ کیلئے وجہ ید وسمع وبصر ورحمت وغضب وغیرہ کا ذکر دیکھکر بعض لوگ تجسیم کے قائل ہوگئے اسکا منشا بھی یہی ہے کہ اُن کے ذہن میں صفات بشریہ ہی بسی ہوئی ہیں اسلئے ان الفاظ سے تجسیم کیطرف اُنکا ذہن منتقل ہوگیا ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ   چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

اسیطرح ترجمہ دیکھنے والوں نے تسخیر کا لفظ تعویذ گنڈوں ہی میں سنا ہوگا اُسکے سوا اور کسی جگہ اس لفظ کو نہ سنا ہوگا بس قرآن میں سخر لکم کا ترجمہ دیکھا "مسخر کردیا تمہارے واسطے" دیکھکر اُدھر ہی ذہن منتقل ہوا اب وہ اس معنے کو ذہن میں لیکر علماء کے پاس پہونچے اور اپنے نزدیک بڑا اشکال لیکر آئے کیونکہ تسخیر کے معنے انکے ذہن میں تابع ومطیع ومنقاد کر دینے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہماری تابع ومطیع نہیں ہیں اگر ہم کو بارش کی ضرورت ہو اور ہم بادل سے یہ کہیں کہ برس جا تو وہ ہمارے کہنے سے کبھی نہ برسے گا وعلیٰ ہذا القیاس اگر سمندر میں طوفان آرہا ہو اور ہم ہوا سے یہ کہیں کہ تھم جا تو وہ ہمارے کہنے سے کبھی نہ تھمے گی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین وآسمان کی تمام چیزیں اس معنی کے اعتبار سے ہماری مسخر نہیں ہیں اب انکو قرآن پر اشکال ہوا کہ قرآن میں تو یہ فرمایا ہے کہ تمام چیزیں انکو تمہارے واسطے مسخر کیا گیا ہے اور حالت یہ ہے کہ بہت سی چیزیں ہماری تابع ومطیع نہیں ہیں سو بات یہ ہے کہ اُس شخص نے تسخیر کا لفظ تو قرآن سے لیا اور معنے اردو محاورہ کے موافق کئے اس سے یہ اشکال پیدا ہوا حالانکہ اُسکو چاہئے تھا کہ تسخیر جس زبان کا لفظ ہے اُسی زبان کے محاورات کے موافق اُسکے معنے لیتا تو یہ اشکال نہ پڑتا خوب سمجھ لیجئے کہ اکثر اشکالات کا سبب یہی ہے کہ لوگ حقائق کو تو سمجھتے نہیں محض خلط محاورات سے شبہ میں پڑجاتے ہیں چنانچہ ایک شخص تھانہ بھون میں میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے قرآن پر کچھ شبہ ہے جسکو میں بعد میں بیان کرونگا پہلے آپ اس آیت کا ترجمہ کر دیجئے ووجدک ضالاً فہدیٰ۔ میں سمجھ گیا

بعض جہال نے صفات الٰہی کو اپنی صفات پر قیاس کیا

اس زمانہ میں تسخیر کے معنی تابع و مطیع کے سمجھے گئے ہیں

اکثر اشکالات کا منشا خلط محاورات ہے

ووجدک ضالاً فہدیٰ کا ترجمہ

کہ اسکو کسی ترجمہ کے دیکھنے سے اشکال پیش آیا ہے میں نے کہا سنئے اس آیت کا ترجمہ یہ ہے اور پایا خدا تعالےٰ نے آپکو ناواقف پس واقف بنا دیا یہ ترجمہ سنکر وہ میرے منہ کو تکنے لگے میں نے کہا فرمائیے وہ کیا اشکال ہے کہنے لگے اب تو کچھ بھی نہیں سو منشا اشکال کا یہ تھا کہ بعض مترجمین نے اس آیت کے ترجمہ میں یہ لکھدیا ہے کہ پایا آپکو گمراہ الخ اور غالباً اُس زمانہ میں اردو کا محاورہ گمراہ کے بارہ میں فارسی محاورہ کے موافق ہوگا فارسی میں گمراہ ناواقف کو بھی عام ہے یہی محاورہ اُسوقت اردو کا بھی ہوگا اسلئے اُن حضرات نے ضَآلّ کا ترجمہ اس جگہ گمراہ سے کردیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اردو محاورہ فارسی کے مطابق اُسوقت بھی نہو لیکن مترجم نے فارسی محاورہ کا لحاظ کرکے یہ ترجمہ کیا ہو اور عوام کی گمراہی کا اندیشہ اسلئے نہوا ہو کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ہے کہ عوام کو ترجمۂ قرآن کسی عالم استاد سے سبقاً سبقاً پڑھنا چاہیے تو انکو اطمینان تھا کہ پڑھاتے ہوئے ہم بتلاوینگے کہ اسجگہ فارسی محاورہ کے موافق یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اسلئے انہوں نے آزادانہ یہ لفظ لکھدیا لیکن اب اردو کا محاورہ بدلگیا ہے آجکل گمراہ محض ناواقف کو نہیں کہتے بلکہ یہ لفظ اس زمانہ میں مذمت کی جگہ بولا جاتا ہے یعنی جو شخص بعد وضوح راہ حق کے اوس راہ کو چھوڑدے نیز آجکل عوام ترجمۂ قرآن کو علماء سے سبقاً سبقاً پڑھتے بھی نہیں اسلئے انکو اشکالات پڑتے ہیں کہ انہوں نے گمراہ کا لفظ دیکھا جو کہ فارسی لفظ ہے اور معنی لئے اردو محاورہ کے موافق اسوجہ سے شبہ پیدا ہوا حالانکہ اُنکو لازم تھا کہ جو لفظ جس زبان کا ہے اسکے معنے اُسی زبان کے محاورہ کے موافق لیتے پس سمجھنا چاہیے کہ گمراہ کے دو معنی ہیں ایک وہ جسکو راستہ معلوم ہی نہو اس معنے کیلئے آجکل اردو میں ناواقف کا لفظ مستعمل ہے دوسرے وہ جو بعد بتلانیکے بھی غلط راستہ پر چلے اور عربی میں لفظ ضَآلّ بھی ان دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اس آیت میں ضَآلّ اور گمراہ سے پہلے معنی مراد ہیں یعنی ناواقف جس پر کچھ اشکال نہیں کیونکہ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ پایا خدا نے آپکو ناواقف پس واقف بنا دیا۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم حق تعالیٰ ہی کے بتلانیسے حاصل ہوئے اس میں کیا اشکال ہے اور دوسرے معنی جو ضَآلّ اور گمراہ کے ہیں وہ اس آیت میں ممتنع الارادہ ہیں وہ ہرگز مراد نہیں خوب سمجھ لو۔ تو جسطرح خلط محاورہ کیوجہ سے اس آیت میں اشکال پڑا تھا اسیطرح یہاں بھی ممکن ہے کسی کو اشکال پیش آیا ہو کیونکہ تسخیر کے معنی ہمارے محاورہ میں یہ ہیں کہ کسی کو ایسا تابع کردیا جائے کہ جو ہم کہدیں وہی کرنے لگے جیسا کہ تسخیر کیلئے تعویذ گنڈے لکھوائے جاتے ہیں اور وہاں تسخیر کے یہی معنی مراد ہوتے ہیں کہ دوسرا شخص ہمارا ایسا منقاد و مطیع ہوجائے کہ جو ہم کہیں وہی کرنے لگے سو سمجھنا چاہیے کہ تسخیر کے صرف یہی معنی نہیں ہیں

بلکہ عربی میں تسخیر کے ایک اور معنی بھی ہیں یعنی کام میں لگا دینا۔ اور اس آیت میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں پہلے معنی مراد نہیں کیونکہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہماری منقاد و مطیع نہیں ہیں کہ جو ہم کہدیں وہی کرنے لگیں۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک مہمان تمہارے یہاں آوے اور تم اوس کی آسائش کے لئے اپنے نوکروں سے کام لو تو وہ نوکر مطیع تو تمہارے ہیں مگر تمنے اسوقت کام میں اوس مہمان کے لگا دیا تو تمہارے کہنے سے یہ پانچ چھ گھنٹہ جو نوکر اُسکے کام میں لگے رہے یہ بھی تسخیر ہے حالانکہ وہ اسکے نوکر نہیں بلکہ تمہارے مطیع ہیں تمنے صرف اُنکو اوسکے کام میں لگا دیا ہے اور لغت عربیہ کے موافق کسی کو کسی کے کام میں لگا دینا بھی تسخیر کہلاتا ہے اسیطرح حق تعالیٰ نے آسمان و زمین وغیرہ کو تمہارے واسطے کام میں لگا دیا ہے بس یہی تسخیر ہے اگرچہ یہ چیزیں تمہاری مطیع نہیں بلکہ ممکن ہے کہ اُنکو خبر بھی نہو کہ ہم انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور انسان کو بھی خبر نہو کہ میرے کام میں کون کون لگا ہوا ہے لیکن چونکہ تمکو اُنسے منافع حاصل ہو رہے ہیں اور راحت پہونچ رہی ہے اور اُنسے تمہارے کام چل رہے ہیں اسلئے دوسرے معنی کے اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے یعنے تمہارے کام میں لگا دیا ہے پس اب سخر لکم میں تسخیر کے معنی وہ ہوئے جو شیخ سعدی رح نے ان شعروں میں بیان کئے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

یعنے بادل اور ہوا اور چاند و سورج سب کے سب اپنے اپنے کام میں اسلئے لگے ہوئے ہیں کہ تم روٹی ملجاوے اور پیٹ بھر کے تم خدا کی عبادت میں لگو اور غفلت میں عمر نہ گذارو۔ دوسرے شعر میں از بہر تو کے معنے یہ ہیں کہ تمہارے نفع کے لئے اور تمہاری خاطر سے یہ سب مختلف کاموں میں لگائے ہوئے ہیں اور جو کام جس کے سپرد ہے اُسکو اچھی طرح ہر ایک بجا لا رہا ہے۔ بہر تو کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انکو تمہارے تابع کر دیا گیا ہے۔ پس از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار کے وہی معنی ہیں جو سخر لکم کے ہیں۔ آگے بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری۔ یعنی جب یہ تمام چیزیں باطاعت احکام الٰہیہ تکوینیہ تیرے کام میں لگی ہوئی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیرے اوپر سب سے بڑی حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں کہ ان سب کو تیرے کام میں لگا رکھا ہے تو یہ بہت ہی بے انصافی ہوگی کہ تو احکام الٰہیہ تشریعیہ کی فرمانبرداری نکرے کیونکہ جسقدر کسی پر منعم کا احسان زیادہ ہوتا ہے اوسیقدر اوسپر اوس منعم کا شکر زیادہ واجب ہوتا ہے اور اگر وہ ناسپاسی کریگا تو سب سے زیادہ مورد عتاب بھی ہوگا پس انسان

بھی اشرف المخلوقات اُسی وقت ہی جبکہ وہ احکام الٰہیہ کا اتباع کرے ورنہ بصورت مخالفت جمادات و
حیوانات ہی اُس سے اچھے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی مخالفت تو نہیں کرتے۔ اس تقریر سے
یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شرف انسان کیلئے لوازم ذات سے نہیں بلکہ بنی شرف کا اعمال ہیں۔ بعض لوگ
غلطی میں مبتلا ہیں کہ شرف کو لوازم ذات سے سمجھتے ہیں گو افعال کیسے ہی ہوں۔ بعض لوگ فخر کرتے ہیں
کہ ہم شیخ ہیں یا سید ہیں اور اس بنا پر وہ اپنے کو دوسری قوموں سے مطلقاً افضل سمجھتے ہیں گو ان شیخ
و سید صاحب کے اعمال جلاہوں سے بھی بدتر ہوں سو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اگر انسان کے اعمال درست
نہوں تو وہ جلاہو نسی تو کیا افضل ہوگا وہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہے اولٓئک کالانعام بل ھم اضل
بنا شرف اعمال صالحہ و ایمان ہے ورنہ ۔

الناس من جہۃ التمثال اکفاء ابوھم آدم والام حواء

یعنی صورت کے اعتبار سے سب آدمی یکساں ہیں کیونکہ سب کے سب آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد
ہیں۔ البتہ اگر اعمال درست ہوں تو پھر شرف نسب بھی ایک درجہ میں باعث فضیلت ہوسکتا ہے
لیکن اسپر فخر کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہاں تحدث بالنعمۃ جائز ہے اور اگر انسان ہو کر اعمال خلاف
انسانیت کرے تو پھر فخر و شرف کیسا ہاں اس صورت میں بھی استعداد تو اُسکے اندر موجود ہے اگر
اپنی استعداد کیطرف عود کرے تو پھر وہ اشرف المخلوقات ہے اور یہی محل ہے اس آیت کا ولقد
کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر۔ اس آیت میں جو بنی آدم کو عموماً مکرم کہا گیا ہے اسکا
یہی مطلب ہے کہ ہر انسان میں استعداد ایسی موجود ہے کہ اگر وہ اُس سے کام لے تو پھر ساری مخلوق
سے زیادہ مکرم و محترم ہوسکتا ہے اور اگر اعمال بد ہوئے تو کچھ بھی نہیں بہرحال انسان پر جب نعم
الٰہیہ اور مخلوقات سے زیادہ ہیں تو نافرمانی و اعمال بد کیصورت میں وہ دوسروں سے زیادہ
مورد عتاب ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں اُسپر شکر بھی زیادہ واجب
ہوتا ہے اور ناشکری کیصورت میں اُسپر عتاب بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔ دیکھو رعایا میں سے ایک
معمولی آدمی اگر احکام شاہی کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اسقدر مورد عتاب نہیں ہوتا جیسا کہ
ایک درباری آدمی خلاف ورزی احکام پر مورد عتاب ہوتا ہے۔ الغرض انسان اشرف المخلوقات
تو ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ تمام مخلوق اُسکی غلام ہے بلکہ اُس کی مثال محض مہمان جیسی ہے
کہ سارا سامان اُسی کے واسطے ہوتا ہے مگر وہ مالک نہیں ہوتا چنانچہ ایک آیت میں اسکی طرف
اشارہ ہے اور اشارہ کی صورت یہ ہے کہ اُس آیت میں ایک قضیہ شرطیہ ہے جسکے مقدم و تالی میں بظاہر

ربط نہیں ہے مگر اس مقدمہ کے ملا لینے کے بعد ربط پیدا ہو جاتا ہے تو جس مقدمہ پر آیت کا مربوط ہونا موقوف ہے اُسپر بھی آیت کی دلالت لازمی ہے گو بطریق اقتضا ہی سہی۔ وہ آیت یہ ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیھا من دابۃ (ترجمہ) اور اگر حق تعالیٰ لوگوں سے مواخذہ فرماتے اُن سب اعمال پر جو وہ کرتے ہیں تو روئے زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتے۔ اس آیت میں بظاہر مقدم وتالی میں ربط نہیں کیونکہ آدمیوں کے افعال پر مؤاخذہ کرنیکا نتیجہ ظاہر میں آدمیوں ہی کی ہلاکت ہو سکتی ہے نہ کہ تمام حیوانات کی ہاں اگر یہ فرماتے ولو یؤاخذ اللہ الخلق بما کسبوا ما ترک علیھا من دابۃ یا یوں فرماتے ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیھا من الانسان تو اس صورت میں ربط ظاہر تھا لیکن آیت اسطرح وارد نہیں ہوئی وہاں تو مؤاخذۂ اعمال انسان پر تمام حیوانات اور جاندار چیزوں کی ہلاکت کو مرتب کیا گیا ہے اسپر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ کہ انسان کے گناہوں سے تمام مخلوق ہلاک ہو ان دونوں مقدموں میں جوڑ کیا ہے مگر تقریر گذشتہ کے ملا لینے سے اب اس اشکال کا جواب ظاہر ہے اس آیت کیساتھ وہ مقدمہ ملا لیجئے کہ انسان کیلئے سب کائنات پیدا ہوئے ہیں بس اب ربط ہو گیا۔ حاصل یہ ہوا کہ انسان تو اس صورت میں اپنے گناہوں کیوجہ سے ہلاک ہوتا اور بقیہ مخلوقات اسلئے ہلاک ہوتیں کہ وہ سب انسان کے واسطے پیدا ہوئی تھیں اور قاعدہ ہے الشیٔ اذا خلا عن غایتہ انتفی جب انسان ہی نہ رہا جس کیلئے یہ سب پیدا ہوئے تھے تو اب انکے باقی رہنے میں کیا فائدہ اسلئے یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے

الغرض انسان اس عالم میں بمنزلہ مہمان کے ہے اور حق تعالیٰ ہماری عادت کے موافق ہمارے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں ور معزز مہمان کے بارہ میں ہماری عادت یہ ہے کہ مہمان کے آنیسے پہلے سب کام درست کر دیا جاتا ہے اُسکی نشست و برخاست کیلئے کمرہ صاف اور درست کر دیتے بستر وغیرہ کا انتظام کر دیتے اور تمام ضروریات کو پہلے سے مہیا کر دیتے ہیں جس سے بعض دفعہ ناواقف دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ اس کمرہ کو اسقدر آراستہ و پیراستہ کیوں کیا جا رہا ہے بلکہ ممکن ہے کہ کوئی نادان یہ سامان دیکھکر یوں سمجھنے لگے کہ شاید مالک کو اس کمرہ ہی سے زیادہ محبت ہے اسی لئے وہ اسکو زیادہ آراستہ رکھنا چاہتا ہے یا اس سامان ہی کو مقصود سمجھ جائے کہ اسکا محفوظ کرنا اور قرینہ سے رکھنا ہی مالک کو منظور ہے مگر حقیقت شناس سمجھتا ہے کہ نہ اس کمرہ سے مالک کو کوئی خاص محبت ہے نہ اس سامان کی حفاظت مقصود ہے بلکہ یہ سب کچھ کسی کی آمد کیلئے انتظام ہے چنانچہ ہفتہ دو ہفتہ کے بعد جب مہمان پہونچ جاتا اور اس تمام سامان میں تصرف کرنے لگتا ہے اُسوقت حقیقت شناس کے خیال کی تصدیق

تمام کائنات کا وجود انسان کیلئے ہے اور اسکی ہلاکت پر

حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہماری عادت کے موافق برتاؤ کرتے ہیں

ہوجاتی ہے لیکن نادان یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ مہمان تو ایک یا دو ہفتہ کے بعد آیا اور سامان پہلے مکمل ہوچکا کمرہ بہت پہلے سے آراستہ ہے تو وجود میں یہ سامان اور کمرہ کی آرائش مقدم ہے اور مہمان کی آمد مؤخر ہے اور مقدم مؤخر سے افضل ہوتا ہے اسلئے یہ سامان مہمان کے تابع نہیں غرض یہ بیوقوف تقدیم وجودی کو باعث شرف سمجھتا ہے پھر قاعدہ یہ ہے کہ مہمان کے چلے جانیکے بعد بھی سامان کو فوراً منتشر نہیں کیا جاتا اس سے نادان کو سامان کے مقصود ہونیکا اور زیادہ شبہ ہوجاتا ہے کہ تقدیم فی الوجود و تاخیر فی البقاء اسکی علامت ہے کہ یہ سامان مہمان کیواسطے نہیں ورنہ اُسکے چلے جانے کے قبل ہی منتشر کردیا جاتا مگر عاقل کے نزدیک یہ بھی اسی کی علامت ہے کہ یہ سب سامان مہمان ہی کے واسطے تھا کیونکہ مہمان عزیز کے سامنے سامان کو منتشر نہیں کیا کرتے تاکہ اُسکو ایک منٹ کیلئے بھی تکلیف نہو چلتے وقت تک سارا سامان اُسیطرح آراستہ رکھا جاتا ہے اُسکی رخصت کے بعد توقف سے سامان کو منتشر کیا کرتے ہیں۔ جب آپکو معلوم ہوگیا کہ ہماری عادت مہمان کیواسطے یہ ہے تو اب سمجھئے کہ حق تعالیٰ نے بھی ہمارے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کیا ہے چنانچہ سورہ حٰم میں اسکی تفصیل موجود ہے کہ تمام کائنات انسان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور دیگر آیات و احادیث سے یہ معلوم ہے کہ فنا پہلے انسان کا ہوگا اُسکے بعد دوسری کائنات فنا ہونگی اس سے نادان کو یہ غلطی ہوسکتی ہے کہ اگر انسان مقصود ہوتا اور یہ کائنات اُسکے لئے پیدا ہوئی ہوتی تو اُسکی طرف توجہ بھی سب سے پہلے ہوتی حالانکہ اُسکو سب کے بعد پیدا کیا گیا ہے مگر یہ محض نادانی ہے کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ غایت ہمیشہ مقدم فی التصور اور مؤخر فی الظہور ہوا کرتی ہے تو انسان کا ظہور مؤخر ہونیسے یہ لازم نہیں آتا کہ توجہ بھی اُسکی طرف بعد میں ہوئی بلکہ اصل مقصود خلق عالم سے انسان کا ظہور تھا لیکن حق تعالیٰ نے انسان کی آسائش کیلئے نیز اس بات کے ظاہر کرنیکے لئے کہ انسان ایک معزز مہمان ہے اُسکی تمام ضروریات کو پہلے سے پیدا کردیا یعنی بسائط کو لیکن بسیط سے مراد یہ نہیں کہ وہ اشیاء بالکل ترکیب سے خالی ہیں فاقد الاجزاء ہیں بلکہ بسیط سے مراد یہ ہے جسمیں ترکیب بصنعۃ العباد نہیں ہے چنانچہ جتنی چیزیں انسان کی ضرورت کی تھیں انکے اصول ہر وقت عالم میں موجود ہیں انسان کا کام صرف یہ رکھا گیا ہے کہ وہ اُن میں ترکیب و تحلیل کرکے جو کچھ چاہے تیار کرے مثلاً درخت پہلے سے موجود ہیں انسان نے آکر اُسکو کاٹا اور چیرا پھر لکڑی تختے کڑیاں وغیرہ بنالیں خدا نے گیہوں پیدا کردیا جسکو پیسکر آٹا بنایا جاتا اور پانی میں ملاکر گوندھا جاتا اور آگ پر رکھکر روٹی پکائی جاتی ہے اسیطرح جانوروں سے دودھ نکلتا اور اوس سے گھی بنایا جاتا اور اُسمیں مٹھائی وغیرہ ملاکر حلوا تیار کرلیا جاتا ہے

اسیطرح تمام چیزوں میں غور کر لیجیئے تو آپکو معلوم ہوجائیگا کہ انسان کا کام صرف تحلیل و ترکیب ہے اعدام و ایجاد انسان کا کام نہیں یعنی نہ وہ کسی چیز کو اپنے پاس سے وجود دیسکتا ہے نہ کسی کے وجود کو سلب کرسکتا ہے لیکن بعض لوگ تحلیل و ترکیب ہی کو ایجاد و اعدام سمجھتے ہیں اسلیئے اپنے کو موجد کہنے لگے چنانچہ نمرود کو یہی غلطی پیش آئی تھی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس نے وجود صانع پر دلیل کا مطالبہ کیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اسکے جواب میں ایک کھلی ہوئی دلیل بیان فرمائی کہ "رَبِّیَ الَّذِی یُحْیِی وَیُمِیتُ" کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے تو نمرود کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں یہ کہکر اسنے قیدخانہ سے دو قیدیوں کو بلایا جنمیں سے ایک واجب القتل تھا اُسکو تو رہا کردیا اور ایک قیدی رہائی کے قابل تھا اُسکو قتل کردیا۔ حالانکہ یہ احیاء و اماتت نہ تھا کیونکہ احیاء کے معنے حیات بخشنے کے ہیں جس قیدی کو نمرود نے رہا کیا تھا اُسکو پہلے سے حیات حاصل تھی نمرود نے اُسکو اپنے گھر سے حیات نہ دی تھی اور اماتت ازہاق روح کا نام ہے اور جس قیدی کو اسنے قتل کیا تھا اُسمیں نمرود کا فعل صرف اسقدر تھا کہ اسنے اُس کی گردن جدا کردی اب یہ عادۃ اللہ ہے کہ انگلی یا ہاتھ کے جدا کرنیسے جان نہیں نکلتی اور گردن کے جدا کرنیسے جان نکل جاتی ہے پس گردن کا جدا کرنا نمرود کا فعل تھا اسکے بعد جان خود بخود عادۃ اللہ کے موافق نکل گئی انسان کا اسمیں کچھ دخل نہ تھا پس نمرود کی یہ حماقت تھی کہ اسنے تفریق اجزاء و عدم تفریق اجزاء کو احیاء و اماتت سمجھا جب ابراہیم علیہ السلام نے اُس کی کور مغزی دیکھی تو آپ نے دوسری دلیل کیطرف اوسکے عجز عن الفہم کے سبب نہ کہ اپنے عجز عن الجواب کے سبب انتقال کیا کیونکہ آپ نے یہ دیکھا کہ اگر میں اسکا جواب دوں اور احیاء و اماتت کی حقیقت بیان کروں اور یہ بتلاؤں کہ تیرا فعل احیاء و اماتت میں داخل نہیں تو یہ کور مغز اس فرق کو نہ سمجھ سکے گا۔ اسلیئے آپ نے دوسری دلیل اس سے بھی زیادہ واضح بیان فرمائی وہ یہ کہ میرا خدا وہ ہے جو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا کا منکر ہے تو مغرب سے آفتاب کو نکال۔ اسپر وہ کافر مبہوت ہوکر انکا منہ تکنے لگا اور اس کا کچھ جواب نہ دیسکا۔ یہاں سے اہل مناظرہ کے ایک اشکال کا جواب بھی ظاہر ہوگیا اشکال یہ ہے کہ فن مناظرہ کا مسئلہ ہے کہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال کرنا مناظرہ کو جائز نہیں اور یہ ایک مسئلہ عقلیہ ضروریہ ہے کیونکہ اگر ایک دلیل سے دوسری دلیل کیطرف انتقال جائز کردیا جائے تو اسطرح سلسلہ مناظرہ کبھی ختم ہی نہو گا تمنے ایک دلیل بیان کی خصم نے اُسکو توڑ دیا تمنے اسمیں سے انتقال کرکے دوسری دلیل بیان کردی اسنے اُسکو بھی توڑ دیا تمنے تیسری دلیل بیان کردی تو یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہوجائیگا۔ پھر حق کبھی ظاہر

ہی نہو سکیگا اسلیئے علماء مناظرہ نے انتقال الی دلیل آخر کو ناجائز مانا ہے اور کوئی شخص اس اشکال کا یہ جواب نہ سمجھے کہ یہ تو علم مناظرہ کا ایک مسئلہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں اُنکے ذمہ ہمارے اصول کا ماننا کب لازم ہے بلکہ ہمکو ہی ان کی بات کا ماننا لازم ہے جواب ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ محض ہمارے اصول مسلّمہ کی قسم سے نہیں بلکہ عقلی مسئلہ ہے جسکا تسلیم کرنا فی نفسہ ضروری ہے پس اب اُس اشکال کا صحیح جواب سنئے بات یہ ہے کہ مناظرہ میں انتقال الی دلیل آخر اپنی مصلحت سے تو ناجائز ہے لیکن خصم کی مصلحت سے جائز ہے مثلاً ہم نے ایک دلیل غامض بیان کی جسکو خصم نہیں سمجھ سکتا تو اب دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دلیل غامض کو سہل عنوان سے بیان کیا جائے سو اگر اسمیں تطویل زیادہ نہو نیز مخاطب تسہیل کے بعد سمجھنے پر قادر ہو تب تو اُسکی تسہیل کردینی چاہیئے اور اگر تسہیل میں تطویل ہو یا مخاطب ایسا بلید ہو کہ تسہیل کے بعد بھی دلیل غامض کو نہ سمجھ سکے تو اب دوسری صورت یہ ہے کہ اُس دلیل غامض سے انتقال کرکے دوسری واضح دلیل بیان کردیجائے جسکو خصم بخوبی سمجھ سکے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس صورت میں مخاطب کی مصلحت سے انتقال کیا تھا کیونکہ آپ نے دیکھا کہ مخاطب بڑا ہی کور مغز ہے اسلیئے اس سے کیا امید تھی کہ وہ امات و احیاء کی حقیقت کو سمجھیگا اور جھک جھک کریگا۔ اگر نمرود کو کچھ بھی علم و فہم ہوتا تو اُسکی بات کا جواب بہت سہل تھا ابراہیم علیہ السلام یہ کہسکتے تھے کہ ازہاق روح تیری قدرت میں نہیں تیرا کام صرف گردن کا جدا کردینا تھا اسکے بعد روح کا نکلجانا عادۃ اللہ کے موافق ہوا تیرا اسمیں کچھ دخل نہیں کیونکہ قاعدہ عقلیہ ہے القدرۃ تتعلق بالضدین کہ قدرت ضدین کیساتھ متعلق ہوا کرتی ہے جو شخص جان نکالنے پر قادر ہوگا وہ اُسکے روکنے پر بھی ضرور قادر ہوگا پس تفریق گردن کے بعد اگر زہوق روح تیرے اختیار سے تھا تو اس پر بھی تجھکو قدرت ہونی چاہیئے کہ ایک شخص کی گردن جدا کرکے اُس کی جان کو نہ نکلنے دے اگر تو اسپر قادر ہے کہ گردن کاٹنے کے بعد جان کو روک لے اور نہ نکلنے دے تو ایسا بھی کر دکھا اُسکا جواب اُسکے پاس ہرگز کچھ نہ تھا پس ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دلیل کمزور نہ تھی اور نہ اُسکی کمزوری کیوجہ سے آپنے دوسری دلیل کیطرف انتقال کیا تھا بلکہ محض اسوجہ سے انتقال کیا کہ پہلی دلیل کے سمجھنے کی اُس کور مغز سے امید نہ تھی غرض انسان کا کام محض تحلیل و ترکیب ہے ایجاد و اعدام اسکا کام نہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں چیز کا موجد ہے یہ اطلاق محض مجازی ہے کیونکہ جتنی ایجادات عالم میں ہوتی ہیں اُنکے اجزاء بسیطہ پہلے سے موجود ہوتے ہیں ان اجزاء بسیطہ کو خدا تعالیٰ کے سوا پیدا نہیں کیا موجد کا کام صرف اسقدر ہے کہ اُسنے ان اجزاء میں ترکیب دیدی ہے

پس ظاہر میں اُسکو صرف ہیئت ترکیبیہ اجتماعیہ کا موجد کہسکتے ہیں لیکن حقیقت میں اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ ہیئۃ اجتماعیہ کا موجد بھی مجازاً ہی ہے کیونکہ یہ قاعدہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ قدرت ضدین سے متعلق ہوا کرتی ہے پس اگر ہیئۃ اجتماعیہ کا وجود اس شخص کے اختیار سے ہوا ہے تو لازم ہے کہ اُسکو اسپر بھی قدرت ہو کہ اجزاء بسیطہ کو ملا دینے کے بعد اُن پر ہیئۃ اجتماعیہ کو طاری نہونے دیں حالانکہ کسی شخص کو اسپر قدرت نہیں بلکہ جب چند اجزاء کو باہم ترکیب دیا جائیگا ہیئۃ اجتماعیہ لزوماً طاری ہو جائے گی خواہ تم چاہو یا نہ چاہو یہ اُسکی صاف دلیل ہے کہ انسان کا کام بجز ترکیب کے اور کچھ نہیں نہ وہ بسیط کا موجد ہے نہ مرکب کا نہ ہیئۃ اجتماعیہ کا۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے لوہے اور مقناطیس کو باہم نزدیک کردیا جائے کہ نزدیک کردینا تو تمہارا فعل ہے اسکے بعد مقناطیس خود بخود اُسکو جذب کریگا خواہ تم کتنا ہی چاہو کہ جذب نکرے اب تمھارا کوئی اختیار نہیں اسیطرح ترکیب کے بعد ہیئۃ اجتماعیہ خود بخود فائض ہوجاتی ہے اب تمکو کوئی نہیں پوچھتا کہ تم ہو کون۔ ہاں حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ ترکیب کے بعد بھی ہیئۃ اجتماعیہ کو فائض نکرے چنانچہ ایک پتھر ایسا ہے کہ جب اُسکو سرکہ میں ڈالدیا جائے تو وہ بھاگتا ہے اب غور کیجیے کہ مٹی کو سیال چیز میں ڈالدینے کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ ساکن ہوجائے اور دونوں مجتمع رہیں مگر یہاں خلاف مقتضا اُسمیں حرکت پیدا ہوتی ہے اور بدون کسی مخلوق کے صنع کے وہ جدا ہوجاتے ہیں اسیطرح اوس ہیئت اجتماعیہ کے آثار کی حالت ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچالیا حالانکہ اس اجتماع کا اثر اور مقتضا یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام جلکر خاکستر ہوجاتے مگر حق تعالیٰ نے اس اثر کو رد کردیا اور اُسکے خلاف دوسرا اثر پیدا کردیا اسی طرح یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں عرصہ تک زندہ رکھا اور انکو ہضم نہونے دیا حالانکہ اس ترکیب اجتماع کا اثر اور مقتضا یہ تھا کہ وہ مچھلی کے معدہ میں جاکر ہضم ہوجاتے اور زندگی ختم ہوجاتی پس حقیقت میں ایجاد و اعدام حق تعالیٰ ہی کا کام ہے انسان کا کام صرف تحلیل و ترکیب ہے پس حق تعالیٰ نے انسان کی تمام ضروریات کو اُسکے پیدا ہونیسے پہلے ہی پیدا کردیا تھا کہ جب وہ دنیا میں آیا ساری ضرورت کی چیزیں اُسکو تیار ملیں صرف تحلیل و ترکیب کرنا اُس کا کام رہگیا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود | لطف تو ناگفتہٴ ما می شنود

ممکن ہے کہ اس پر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ جب خدا تعالیٰ کو انسان کی ایسی خاطر منظور تھی اور وہ معزز مہمان تھا تو پھر اُسکو یہ تکلیف بھی کیوں دیگئی کہ وہ ترکیب و تحلیل کرتا پھرے بس تمام چیزیں کامل و مکمل اُسکے واسطے موجود ہوتیں تو بہتر تھا۔ درختوں پر بجائے گیہوں کے روٹی لگا کرتی کپاس

انسان کا کام صرف ترکیب و تحلیل ہے

کے بجائے بُنتے بنائے کپڑے پیدا ہوا کرتے وعلی ہذا القیاس میں کہتا ہوں کہ اس میں حق تعالی نے طبیعت انسانی کی بہت زیادہ رعایت کی ہے کیونکہ اسوقت تو گیہوں الگ پیدا ہوتا ہے اور چنا الگ تمکو اختیار ہے کہ خالص گیہوں کی روٹی پکالو یا خالص چنے کی یا دونوں کو ملاکر۔ نیز یہ بھی اختیار ہے کہ روٹی پکاؤ یا گیہوں اُبالکر کھاؤ یا اُسکا ستو بناؤ یا حلوا سوہن تیار کرو غرض صدہا قسم کی چیزیں بنا سکتے ہو اور اگر بجائے گیہوں چنے کے دونوں کی روٹیاں پکی پکائی لگا کرتیں تو بس ایک ہی غذا تمکو نصیب ہوتی یہ رنگ برنگ کی غذائیں تم تیار نکر سکتے اسیطرح روئی کے پیدا ہونے میں حکمت یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی کے موافق اسکا جیسا چاہے لباس تیار کر سکتا ہے خواہ خالص سوت کا کپڑا بنائے یا سوت اور ریشم کو ملاکر یا اون اور سوت کو ملاکر نیز یہ بھی اختیار ہے کہ کرتہ بنائے یا پاجامہ یا قمیص یا اچکن اور اگر سِئے سلائے کپڑے درختوں پر لگا کرتے تو بس وہ اُسی کام آتے جس کام کیلئے وہ موضوع ہوتے دوسرے لباس مختلف قسم کے تیار نہو سکتے اور اگر ایسا ہوتا تو انسان ایک قسم کی غذا اور ایک ہی قسم کے لباس سے اکتا جاتا چنانچہ اسکا تجربہ ایک زمانہ میں ہوچکا ہے حق تعالی نے بنی اسرائیل کو من وسلوی عطا فرمایا تھا کہ بے محنت ومشقت دونوں وقت انکو بیٹھے بٹھلائے غذا ملجاتی تھی اور غذا بھی بہت نفیس تھی مگر اُسسے ایک غذا پر نرہا گیا آخر کو اکتا کر کہنے لگے یا موسی لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلہا وقثائہا وفومہا وعدسہا وبصلہا الآیہ

اے موسی ہمسے ایک کھانے پر ہرگز صبر نہو سکیگا پس اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے وہ چیزیں پیدا کردے جو زمین سے اگا کرتی ہیں یعنی ترکاریاں۔ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز

قال اتستبدلون الذی ہو ادنی بالذی ہو خیر اہبطوا مصرا فان لکم ما سألتم

موسی علیہ السلام نے فرمایا کیا تم عمدہ چیز کے بدلے ادنے کو لینا چاہتے ہو جاؤ کسی شہر میں اترو وہاں جو کچھ تم مانگتے ہو ملجائیگا تو صاحبو اگر حق تعالی پکی پکائی روٹی آسمان سے اتارا کرتے تو آپ بھی چند روز میں بنی اسرائیل کیطرح اُس سے گھبرا جاتے اسلئے انسان کی راحت اسی میں ہے کہ ترکیب وتحلیل کا کام اسپر چھوڑ دیا گیا کہ جسطرح چاہے اپنی طبیعت کے موافق جوڑ توڑ کرتا رہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ بعض لوگوں کو دوسرے کے ہاتھ کا بنایا ہوا پان مزے نہیں لگتا تو اُنکی راحت اور اُنکا اعزاز یہی ہے کہ میزبان اُنکے آگے پاندان لاکر رکھدے کہ لو بھائی تم اپنے ہاتھ سے جیسا چاہو بنالو پس جس طرح پاندان سامنے رکھدینے کو ہر شخص نہایت اعزاز سمجھتا ہے اور کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس شخص نے میزبان کی تحقیر کی کہ اُسکو پان لگانیکی تکلیف دی اسیطرح تحلیل وترکیب

کو انسان پر چھوڑ دینے سے تکلیف اور بیقدری کا شبہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ حقیقت میں یہ بھی نہایت اعزاز ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو ایک ہی غذا ایک سے لباس پر مجبور نہیں بنایا بلکہ مختلف اقسام وانواع کے استعمال کی اسکو گنجائش دی خاص خاص شرائط و حدود کیساتھ جنکی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے کیونکہ انسان ایک حالت سے بہت جلد اکتا جاتا ہے اور یہی حکمت ہے عبادات کے تنوع و تعدد میں بھی یعنے حق تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک ہی قسم کی عبادت مشروع نہیں فرمائی بلکہ رنگ برنگ کی عبادات ہیں۔ ایک وقت نماز ہے دوسرے وقت تلاوت قرآن ہے ایک وقت تدریس وتعلیم ہے کبھی وعظ ونصیحت ہے کبھی استغفار و درود شریف ہے اور پھر ہر حالت کے مناسب الگ الگ دعا بتلائی گئی ہے وعلیٰ ہذا القیاس تاکہ ایک عبادت سے انسان اکتا نجائے اور جدید عبادت سے اسکا شوق بڑھتا رہے دیکھئے پہلے رمضان سردی میں تھا تو لوگ اس سے اکتاتے تھے کہ میاں یہ بھی کوئی روزہ ہے او دھارے ادھارے بیٹھے ہیں نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے ذرا سا دن ہے خبر ہی نہیں ہوتی کہ روزہ بھی تھا یا نہیں روزہ تو گرمی کا لطف کا ہے کہ ذرا خبر بھی ہو کہ ہاں روزہ ہے پھر افطار میں شربت کا اور ٹھنڈے پانی کا اور بعض جگہ برف کا اہتمام ہوتا ہے ٹھنڈے کنوؤں کی تلاش ہوتی ہے کہ جس کنوئیں کا پانی سب سے زیادہ ٹھنڈا ہو اسکا پانی لایا جاتا ہے سردی میں تو یہ باتیں ہوتی تھیں اب جب رمضان گرمی میں آیا تو اس سے بھی گھبرا گئے چنانچہ اب رمضان آنیوالا ہے معلوم ہو جائیگا کہ کتنے آدمی روزہ رکھتے ہیں۔ اب یوں کہتے ہیں کہ صاحب رات تو ذرا سی ہوتی ہے تراویح پڑھنے کے بعد سونیکا موقع ہی نہیں ملتا ادھر آنکھ لگی ادھر سحری کا وقت آیا اتنی دیر میں افطار کیوقت کا کھانا پانی بھی ہضم نہیں ہوتا اب سحری میں کیا کھالیں بس سحری کا لطف تو گرمیوں کی رات میں کچھ بھی نہیں۔ پھر دن ایسا پہاڑ کہ گھنٹے گنتے گنتے تھک جاؤ ختم ہونیکا نام ہی نہیں لیتا پیاس کے مارے کلیجہ نکلا جاتا ہے پھر افطار کیوقت پانی اس بُری طرح پیا جاتا ہے کہ تراویح پڑھنا محال ہو جاتا ہے بس گرمیوں میں نہ تراویح کا لطف ہے نہ روزہ کا۔ لیجئے اب گرمیوں کے رمضان کی برائی ہونے لگی غرض انسان کو کسی ایک حالت پر قرار وچین نہیں بس اسکو تو جنت ہی میں جاکر آرام ملیگا مگر وہاں بھی اسکا چلبلا پن نہ جائیگا۔ ایک خدا کے بندے کو بیٹھے بٹھلائے کھیتی کا شوق ابھریگا بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ جب تجھے بیٹھے بٹھلائے بے مانگے ہر چیز مل رہی ہے پھر تجھے کھیتی کی ضرورت کیا ہے کچھ نہیں صرف وہی چلبلا پن کہ اس ایک حالت میں رہا نہیں جاتا جنت میں جو بے محنت و

انسان کو ایک حالت پر چین نہیں آتا حتیٰ کہ جنت میں

مشقت کھانے کو ملیگا تو آپکو اپنی وہی حالت یاد آئیگی کہ ایک وقت میں ہم کھیتی کرکے کھایا کرتے تھے یوں ناج بوتے ہل چلاتے کھیتی کاٹتے تھے اب وہ بات ہی نہیں اسلئے اُسکو کھیتی کا شوق ہوگا چنانچہ یہ شوق بھی اُسکا پورا کیا جائیگا ادھر دانہ پڑا ادھر پیدا ہوا اور پکا اور تھوڑی دیر میں غلہ کا ڈھیر سامنے ہو جائیگا پھر ارشاد ہوگا دونک یا ابن آدم فلن یشبعک شیئ کہ اے ابن آدم لی (یہ کھیتی بھی تیار ہو گئی) مگر تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرسکتی۔ قیاس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کوئی گانوں کا رہنے والا کسان ہوگا جسے جنت میں بھی کھیتی ہی یاد آئیگی یا ممکن ہے کوئی ایسا شخص ہو جسے دنیا میں بھی سلطنت وراحت ہی ملی ہو اور جنت میں تو جو کچھ ہے سلطنت ہی سلطنت ہے تو اس شخص کو دنیا میں کھیتی کا موقع نہ مل سکا اُسنے یہ چاہا کہ لاؤ جنت میں اس آرزو کو پورا کرلوں۔ کیونکہ ہمنے سنا ہے کہ بعض دفعہ سلاطین نہایت تکلف اور ساز وسامان وفرش وتخت سے گھبرا جاتے اور غربا کے گھر جاکر بوریئے اور ٹوٹے ہوئے پلنگ پر بیٹھتے اور موٹی جھوٹی روٹی اُنسے مانگ کر کھاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ عیش وآرام اور تکلف سے طبیعت گھبرا گئی اسلئے سادگی کا مزہ چکھنے کیلئے کبھی کبھی جی چاہا کرتا ہے اب آپنے دیکھا کہ انسان کی طبیعت ایسی جبلی ہے کہ جس آسائش وآرام کا یہ ساری عمر طالب رہتا ہے جب وہ میسر ہو جاتا ہے تو اُس سے بھی اسکی طبیعت اکتا جاتی ہے۔ اسی واسطے خداتعالیٰ نے انسان کی مرضی ونامرضی پر کچھ نہیں رکھا بلکہ سب کام اپنے قبضہ میں رکھا ہے کیونکہ انسان کی حالت بچوں کی سی ہے اب بچے اگر ایسی ویسی فرمائش کرنے لگیں تو کیا باپ اُنکی ہر فرمائش کو پورا کردیا کرتا ہے ہرگز نہیں بلکہ باپ اپنی مرضی کے موافق کام کرتا ہے بچوں کی مرضی پر اگر ہر کام چھوڑ دیا جائے تو اسمیں اُنکی ہلاکت ہے اور بعض دفعہ ایسی خلاف حکمت ہونیکے سبب بچوں کی ضدیں اور فرمائشیں پورا کرنا بھی بہت مشکل ہو جاتا ہے بعض دفعہ یہ ایسی ضدیں کرتے ہیں کہ والدین کو تنگ کردیتے ہیں چنانچہ ہمارے یہاں ایک بچہ نے رونا شروع کیا پوچھا کیوں روتا ہے کہنے لگا مٹھائی لونگا خیر مٹھائی دیدی پھر رونا شروع کیا بھائی اب کیوں روتا ہے بولا دودھ لونگا دودھ بھی آگیا اسیطرح بہت سی سوچ سوچکر فرمائشیں کیں اور پوری کردی گئیں اسکو اوسوقت مقصود والدین کو عاجز کرنا تھا پھر اسنے رونا شروع کیا پوچھا اب کیوں روتا ہے کہنے لگا کہ ہائے یہ چاند کیوں نکل رہا ہے اسکو چھپا دو اب اس ضد کو کوئی کیونکر پورا کرسکتا ہے آخر ماں باپ عاجز ہوگئے بس اسیواسطے بیربل اور اکبر میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی تھی اکبر کہنے لگا کہ یہ جو مشہور ہے کہ تین ہٹوں کا پورا کرنا مشکل ہے ایک راج ہٹ

ایک تریاہٹ ایک بالک ہٹ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا راج ہٹ اور تریاہٹ کا دشوار ہونا تو مسلم ہو سکتا ہے کیونکہ بادشاہ اور عورت عاقل ہوتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی فرمائش کر بیٹھیں جسکا پورا کرنا دشوار ہو لیکن بالک ہٹ کا دشوار ہونا مسلم نہیں کیونکہ بچوں کی ایسی کیا فرمائش ہوگی جو پوری نہو سکے بیربل نے کہا کہ سب سے زیادہ مشکل تو بالک ہٹ ہی ہے اسکو بڑا ہی عاقل پورا کر سکتا ہے ہر شخص پورا نہیں کر سکتا اکبر نے کہا کہ اسکے لیے عقل کی کیا ضرورت ہے بچوں کی فرمائش کو ہر شخص پوری کر سکتا ہے بیربل نے کہا اچھا ہم بچہ بنتے ہیں آپ میری ضد کو پورا کریں اسنے کہا اچھا اب بیربل بچہ بنا اور بچوں کیطرح سسکنے لگا (اکبر کا دربار ایسا ہی ہوتا تھا وہاں یہی خرافات اکثر رہا کرتی تھیں) غرض اکبر نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو بیربل نے کہا ہم تو ہاتھی لینگے اکبر نے فوراً ہاتھی خانہ سے ایک ہاتھی منگوا دیا اور کہا سبحان اللہ آپنے بڑی مشکل فرمائش کی بیربل پھر رونے لگا پوچھا اب کیوں روتا ہے کہا ہم تو کلھیا لینگے اکبر نے فوراً بازار سے ایک کلھیا بھی منگادی اور کہا بس یہی بڑی مشکل ضد تھی بیربل پھر رونے لگا پوچھا اب کیوں روتا ہے کہنے لگا کہ اس ہاتھی کو اس کلھیا میں رکھدو۔ ابتو اکبر کی عقل حیران ہوگئی کہ واقعی اس ضد کا پورا کرنا مشکل ہے آخر عاجز ہوگیا اور مان گیا کہ بچوں کی فرمائش کا پورا کرنا مشکل ہے پھر اسنے بیربل سے کہا کہ یہ جو تمنے کہا تھا کہ عاقل بچوں کی ضد بھی پوری کر سکتا ہے اب میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی بھلا اس فرمائش کو عاقل کیونکر پورا کریگا۔ بیربل نے کہا کہ اگر عقل ہو تو سب آسان ہے اکبر نے کہا اچھا اب ہم بچہ بنتے ہیں تم ہماری ضد کو پورا کرو اسنے کہا بہت بہتر چنانچہ اب اکبر نے سسکنا شروع کیا بیربل نے کہا کیوں روتے ہو آپنے کہا ہم تو ہاتھی لینگے (میاں کو بس یہی سبق یاد تھا گھر کی عقل تو تھی ہی نہیں۔) بیربل نے ایک آدمی کو بھیجا کہ بازار سے جا کر مٹھائی یا مٹی کا ایک ہاتھی ذرا سا لے آؤ چنانچہ لایا گیا اور اکبر کو دیدیا گیا آپ نے پھر رونا شروع کیا پوچھا اب کیوں روتے ہو کہنے لگا ہم تو کلھیا لینگے اسنے کلھیا بھی منگادی پھر آپ رونے لگے پوچھا اب کیوں روتے ہو کہنے لگا کہ اس ہاتھی کو کلھیا میں رکھدو اُسنے اٹھا کر رکھدیا بس اکبر خاموش ہو گئے۔ بیربل نے کہا کہ یہ آپکی عقلمندی تھی کہ بچے کے ہاتھی مانگنے پر آپنے اتنا بڑا ہاتھی منگا دیا۔ آپکو چاہیئے تھا کہ بچہ کی فرمائش کو اُسکی حیثیت کا لحاظ کرکے پورا کرتے الغرض بچے بڑی الٹی الٹی ضدیں کیا کرتے ہیں بعض دفعہ بچہ یہانتک چاہتا ہے کہ آگ پکڑلوں سانپ کو ہاتھ میں لیلوں مگر ماں باپ اُسکی اس خواہش کو پورا نہیں ہونے دیتے۔ اسیطرح یہ بھی خدا کی رحمت عظیمہ ہے کہ حق تعالیٰ گو ہر فرمائش کے پورا کرنے پر قادر ہے پھر بھی انسان کی خواہش کا اسلئے اتباع نہیں کرتا کہ اسکو حکمت ہی کی خبر نہیں بلکہ

انسان کی خواہش کو حق کے تابع رکھا گیا ہے ورنہ بڑا فساد عظیم برپا ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموات والارض آیہ پس انسان کی مصلحت اسی میں ہے کہ اسکو اوسکی مرضی پر نہیں چھوڑا گیا ورنہ یہ اپنے ہاتھوں ہلاک ہوجاتا ایک شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ حق تعالیٰ سے دعا کردیجئے کہ مجھکو اپنے متعلق آنیوالی بات کی خبر ہوجایا کرے۔ موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اس شخص سے فرما دیجئے کہ تیری مصلحت اسی میں ہے کہ تجھکو آنیوالی بات کی اطلاع نہوا کرے تیری مصلحتوں کو تجھسے زیادہ ہم جانتے ہیں۔ آپنے اُس شخص کو اطلاع کردی اُسنے پھر اصرار کیا کہ میرا جی بہت چاہتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی جو قبول ہوگئی چنانچہ اُسکو آئندہ واقعات کی اطلاع پہلے ہی ہوجایا کرتی تھی ایک مرتبہ اسکو معلوم ہوا کہ میرا گھوڑا مرنیوالا ہے اُسنے جلدی سے بازار میں جاکر اُسے فروخت کردیا اور نفع سے فروخت کیا اور اپنے جی میں بہت خوش ہوا کہ دیکھو اس علم سے میرا کتنا بڑا نفع ہوا کہ جانور میرے گھر میں نہیں مرا دوسرے کے یہاں جاکر مریگا اور مجھے اُسکی قیمت مع شئی زائد وصول ہوگئی پھر اُسکو یہ معلوم ہوا کہ اب میرا غلام مرنیوالا ہے اُسنے غلام کو بھی جاکر فروخت کردیا اور اپنے دل میں بہت ہی خوش ہوا۔ پھر یہ معلوم ہوا کہ اب میں خود مرنیوالا ہوں اب تو بڑا پریشان ہوا کہ اپنے کو کہاں جاکر چھپا دوں آخر موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوڑا ہوا آیا کہ شاید وہ اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت بتلادیں موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اس شخص سے فرما دیجئے کہ اسنے اپنی موت اپنے ہاتھوں خریدی ہے۔ بات یہ ہے کہ اسکی تقدیر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اس عرصہ میں اسکے گھر پر ایک مصیبت نازل ہوگی ہمنے اول اسکے جانور پر اُسکو ڈالنا چاہا۔ اسنے ہوشیاری کرکے اُسکو اپنے سے الگ کردیا پھر ہمنے اسکے غلام پر اُسکو ٹالنا چاہا اسنے اُسکو بھی بیچکر نفع حاصل کرلیا۔ اب خود ہی رہگیا ہے لہٰذا اب وہ مصیبت اسکے اوپر ضرور آویگی ٹل نہیں سکتی اس سے کہہ دیجئے کہ بس اب حسن خاتمہ کی دعا کرے موت ضرور آویگی۔ تو آپ نے دیکھا کہ انسان کی مرضی پر کام چھوڑنیکا کیا نتیجہ ہوا کہ خود اپنے ہاتھوں ہلاکت مول لیلی۔ پس حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ سب کام اپنے قبضہ میں رکھا اور ہمکو کچھ بھی خبر نہیں دی کہ کل کو کیا ہونیوالا ہے ....

.... لوگ علم غیب کی تمنا کیا کرتے کشف کو کمال سمجھتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ بعض دفعہ وبال جان ہوجاتی ہے شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ قرآن میں تو علم غیب کو استکثار خیر و دفع مضرت کا سبب بتلایا گیا ہے اور تم کہتے ہو کہ کشف

انسان کی مصلحت اسی میں ہے کہ اسکو اس کی مرضی پر نہیں چھوڑا

بعض دفعہ کشف وبال جان ہوجاتا ہے

بعض دفعہ وبالِ جان ہوجاتا ہے قرآن کی آیت یہ ہے ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر
وما مسنی السوء (ترجمہ) اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو خیر بہت زیادہ حاصل کرلیتا اور مجھکو
کوئی مضرت نہ پہونچتی اسکے چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ آیت میں قضیہ کلیہ نہیں ہے بلکہ جزئیہ ہے
یعنی کبھی ایسا بھی ہوجاتا کہ خیر ہی خیر حاصل ہوتی اور شر مس بھی نہ کرتا دوسرے یہ کہ آیت میں غیب سے مراد
جمیع الغیب ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر مجھکو غیب کا علم محیط حاصل ہوتا الخ اور ظاہر ہے کہ غیب کا علم محیط
حاصل ہونا استکثار خیر ورفع مضرت کا ضرور سبب ہوسکتا ہے اور اس قصہ میں جو اس شخص کو
مصیبت پیش آئی اسکا سبب یہ تھا کہ اسکو علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ اخیر تک کی سب حالت معلوم
ہوجاتی تو وہ جان لیتا کہ اگر میں گھوڑے اور غلام کو فروخت کرونگا تو پھر یہ بلا میرے اوپر آویگی)
پس کشف کے بعض دفعہ وبالِ جان ہونے پر کوئی اشکال نہیں کیونکہ کشف میں علم محیط نہیں ہوتا
ادھورا علم ہوتا ہے اور علم محیط بشر کے لئے حاصل ہونا محال بھی ہے اور اس جگہ اس سے بحث
ہی نہیں بلکہ جسقدر غیب کا علم انسان کو ہوسکتا ہے اسکے متعلق میں نے یہ کہا تھا کہ بعض دفعہ وہ
وبالِ جان ہوجاتا ہے اور اسمیں کچھ شک نہیں خوب سمجھ لو یہ ساری گفتگو اسپر شروع ہوئی تھی
کہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر انسان کے لئے پکی پکائی روٹی اور سلے سلائے کپڑے پیدا ہوا کرتے تو
وہ گھبرا جاتا کیونکہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں اچکن پیدا ہوتا اور آپکا جی قمیص کو چاہتا ہو۔ دوسرے
وقت میں پائجامہ پیدا ہوا اور آپ کی طبیعت لنگی کو چاہتی ہے۔ اور انسان اس سے بھی گھبرا جاتا
ہے کہ کوئی چیز اسکے سر پر سوار ہوجائے اب خدا کا شکر ہے کہ اسکے سر پر سوار کوئی چیز نہیں وہ جیسا
چاہے خود بنا سکتا ہے اور اگر کسی چیز کی ضرورت نہو تو یہ بھی اختیار ہے کہ کچھ نہ بنائے۔ یہ حکمت ہے
اس میں کہ حق تعالیٰ نے تحلیل وترکیب کا کام انسان پر چھوڑ دیا ہے۔ سر پر سوار ہونے سے مجھے اپنا
ایک قصہ یاد آیا ایک صاحب نے جو کہ میرے دوست کے بیٹے ہیں میری دعوت کی تھی وہ بندہ خدا
کھانا کھاتے ہوئے میرے سر پر سوار ہوگئے بار بار مجھے ٹوکیں کہ مولانا آپ تو بہت کم کھاتے ہیں اچھی طرح
کھائیے تکلف نہ فرمائیے اب وہ تو مجھے زیادہ کھانیکو فرما رہے تھے مگر میری یہ حالت کہ جب مجھکو
اس کا تصور آتا کہ میزبان میرے لقموں کو دیکھ رہا ہے مجھسے غیرت کیوجہ سے لقمہ نہ ٹوٹتا آخر کار میں
بھوکا ہی رہا اور اپنے گھر آکر میں نے دوبارہ کھانا کھایا۔ اسیطرح ایک اور صاحب نے میری دعوت
کی وہ ہر چیز مجھے اپنے آپ کھلاتے تھے مگر میری طبیعت اندر سے گھٹی جاتی تھی +

کھانے کے وقت مہمان کے سر پر سوار ہونا خلاف تہذیب ہے

+ یہ آداب معاشرت کے بالکل خلاف ہے میزبان کو چاہیئے کہ مہمانوں کو کھاتے ہوئے ہرگز نہ گھو

بس سرسری نگاہ سے اتنا معلوم کرتا رہے کہ کہاں کس چیز کی ضرورت ہے۔ باقی نہ اُس سے کہے کہ آپ کم کھا رہے ہیں نہ یہ کہے کہ آپ تکلف کر رہے ہیں کیونکہ جب مہمان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میزبان میرے لقمے دیکھ رہا ہے تو اُس سے بالکل نہیں کھایا جاتا۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر ایک بدوی بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا اور دیہاتیوں کیطرح بڑے بڑے لقمے بنا رہا تھا حضرت معاویہ نے خیر خواہی کے طور پر اتنا فرما دیا کہ اے شخص اپنی جان پر رحم کر اور لقمہ چھوٹا لے تاکہ گلے میں نہ اٹک جائے۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ بدوی فوراً دسترخوان سے اُٹھ کھڑا ہوا اور حضرت معاویہ سے خطاب کرکے کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف آدمی تمہارا کھانا کھاوے۔ تم مہمانوں کے لقموں کو تکتے ہو کہ کون چھوٹا لیتا ہے کون بڑا۔ تمکو اس سے کیا غرض تمکو دسترخوان پر مہمانوں کو بٹھلا کر پھر اپنے کھانے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھنا چاہیے یہ کہکر چلتا ہوا۔ ہر چند حضرت معاویہ نے اصرار کیا کہ کھانا اچھی طرح کھا کر جانا مگر اُسنے ایک نمانی خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا میں بیان یہ کر رہا تھا کہ انسان کی مثال معزز مہمان جیسی ہے کہ جسطرح اُسکی آمد سے پہلے تمام ضروریات کا انتظام کر دیا جاتا ہے اسیطرح حق تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے تمام عالم کو اُسی کی خاطر اور اُسی کیواسطے پیدا کیا پھر جب انسان ہلاک ہو جائیگا تو سارا عالم بھی ہلاک ہو جائیگا کیونکہ جسکے لئے یہ ساز و سامان تھا جب وہی نہ رہا تو اسکے رہنے میں کیا فائدہ۔ حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو تو پہلے پیدا کیا ہی جنت کو بھی پہلے ہی پیدا کر دیا حالانکہ اُسکی ضرورت اس عالم کے بعد انسان کو ہو گی کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا اور اس میں راز یہ ہے کہ انسان کو جب یہ معلوم ہو گا کہ میرا اصلی گھر جہاں ہر قسم کی راحت و آسائش ہے اسوقت موجود ہے تو اُسکو اُدھر زیادہ رغبت ہو گی اور دنیا میں اُسکا دل نہ لگے گا اور اگر اُسکو یہ معلوم ہو جاتا کہ جنت تو ابھی بنی بھی نہیں دنیا کے فنا ہونیکے بعد بنے گی تو اکثر طبائع کو عالم آخرت کیطرف رغبت نہوتی اور اگر ہوتی بھی تو کم ہوتی کیونکہ معدوم کیطرف رغبت ہونا انسان کے طبائع میں نادر ہے گو وہ معدوم کیسا ہی یقینی الوجود ہو۔ اور اب جسوقت حق تعالیٰ کے اس ارشاد پر نظر پڑتی ہے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ جنت خدا سے ڈرنیوالوں کے لئے تیار کر لی گئی ہے۔ تو خواہ مخواہ اُسکی طرف کشش ہوتی ہے اور تقویٰ کو جی چاہتا ہے۔ مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جو اسکے قائل ہیں کہ جنت ابھی پیدا نہیں ہوئی بعد میں پیدا ہو گی اور وہ اسکی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ ابھی سے اُسکا پیدا ہونا عبث ہے اور خدا تعالیٰ فعل عبث سے پاک ہے۔ مگر انکا یہ خیال غلط ہے جسکو اولاً نص قرآنی اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ رد کر رہی ہے کیونکہ صیغہ ماضی کو مستقبل کے معنے میں لینا مجاز ہے حقیقت یہی ہے کہ اپنے معنی پر محمول ہو اور بلا وجہ معنی مجازی

ف حضرت معاویہ کی نصیحت

ف جنت کا اسوقت موجود ہونا

لینا جائز نہیں اور جو وجہ وہ بیان کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ میں نے ابھی اسکی حکمت بتلا دی ہے جسکو دوبارہ
اعادہ کرتا ہوں وہ حکمت یہ ہے کہ جنت کے پیدا کرنیکے بعد تو حق تعالیٰ ہمکو ان الفاظ سے خوشخبری سنا رہے
ہیں کہ اعدت للمتقین (جنت متقیوں کیواسطے تیار کیگئی ہے) اور اگر پیدا نہوتی تو بجائے اسکے یہ فرماتے
تعد للمتقین (یعنی جنت متقیوں کے واسطے تیار کیجائیگی) اور ان دونوں کی تاثیر فی الطبیعۃ میں
جو فرق ہے اُسکو ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اسوقت ایک شئی موجود کیطرف رغبت ہے اور اُسوقت
شئی معدوم کیطرف رغبت ہوتی دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پس جس فعل میں اتنی بڑی حکمت
ہو اُسکو عبث کون کہسکتا ہے اور یہ حکمت تو ہمارے ذہن میں آگئی ہے اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں
ہونگی۔ الغرض سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض میں تسخیر سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے
تمام عالم کو انسان کے کام میں لگا رکھا ہے۔ اور وہ معنے مراد نہیں جو تسخیر کے لفظ سے محاورہ اردو
میں متبادر ہوتے ہیں اور اسیکے ضمن میں حق تعالیٰ نے توحید کی دلیل بیان فرمائی ہے۔ اصل مقصود
آیت کا توحید ہی ہے گو تبعاً دوسرے مضامین کیطرف بھی اشارہ ہوگیا ہے۔ حاصل استدلال کا یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور اُنکے سوا صانع و خالق کوئی نہیں تو معبود بھی وہی
ہونا چاہئے کیونکہ معبود کیلئے کامل الصفات و جامع الکمالات ہونا ضروری ہے اور خلق بہت بڑی
صفت کمال ہے پس جو خالق نہیں وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا اور جو خالق ہوگا وہ یقیناً تمام صفات
کمال کا جامع ہوگا کیونکہ خلق کے معنے اعطاء وجود کے ہیں اور ظاہر ہے کہ تمام کمالات وجود کے
تابع ہیں پس جو ذات معطئ وجود ہے یقیناً اُسکے قبضہ میں خزائن وجود ہیں اور جسکے قبضہ میں وجود
کے خزائن ہوں وہ تمام صفات کمال کا جامع ہوگا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اکثر مواقع میں توحید
کی دلیل میں صفت خالقیت کو بیان فرمایا ہے کیونکہ صفت خالقیت تمام کمالات کو مستلزم ہے حق تعالیٰ
نے توحید کے دلائل میں زیادہ دقیق دلائل نہیں بیان فرمائے بلکہ نہایت سہل سہل دلائل بیان فرمائے
ہیں جنکو تھوڑی سی عقل والا بھی بہت جلدی سمجھ سکتا ہے چنانچہ اکثر جگہ صرف خالقیت سے توحید کو
ثابت فرمایا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ تدقیقات سے مخاطب ساکت تو ہو جاتا ہے مگر اُسکی تسلی
نہیں ہوتی اور سہل عنوانات سے تسلی خوب ہو جاتی ہے جیسا کہ اس آیت میں کتنا سہل عنوان
ہے کہ کیا تمنے اسبات کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اُن تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں
اس عنوان سے ہر شخص کا ذہن توحید کیطرف جلد منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر منطقی استدلالی طرز ہوتا تو اس درجہ تسلی نہو سکتی۔
اسجگہ شاید کوئی یہ سوال کرے کہ حق تعالیٰ کا خالق ہونا اسپر موقوف ہے کہ پہلے وجود صانع تو معلوم ہو جائے اور اس دلیل سے وجود صانع
ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا

حاصل استدلال بر توحید

صفت خالقیت تمام صفات کمال کو جامع ہے

دلائل توحید قرآنیہ سہل ہیں دقیق نہیں

اہل عرب مشرک تھے دہری نہ تھے اسلئے اثبات وجود صانع کی انکو ضرورت نہ تھی

جواب یہ ہے کہ اہل عرب دہری نہ تھے وہ محض مشرک تھے وجود صانع کا وہ انکار نہ کرتے تھے اسلئے وجود صانع کو ثابت کرنیکا قرآن نے اہتمام نہیں کیا ہاں علماء اسلام نے جب دہریوں کا بھی ایک فرقہ اسلام کے مقابل دیکھا تو انہوں نے وجود صانع پر بھی دلائل قائم کئے۔ اہل عرب کا دہری نہونا قرآن کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله اور اس قسم کا مضمون قرآن میں جا بجا مذکور ہے بس جب اہل عرب صانع کے قائل تھے اور شرک میں مبتلا تھے تو ان کیواسطے دلائل توحید ہی کی ضرورت تھی چنانچہ سارا قرآن دلائل توحید سے بھرا ہوا ہے لیکن وہ دلائل منطقی طرز پر صغری وکبری وحد اوسط وغیرہ سے مرکب نہیں ہیں۔ یہ میں نے اسواسطے کہدیا تاکہ کوئی معقولی یہ نہ کہے کہ ہمنے تو سارا قرآن دیکھ لیا ہمکو تو ایک جگہ بھی دلیل عقلی نہیں ملی سو بات یہ ہے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قرآن کا طرز دلائل کے بارہ میں استدلال منطقی کے طرز پر نہیں ہے بلکہ اکثر دلائل قرآن کی اقناعی ہیں لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی اقناعی ہی ہیں بلکہ محض طرز کے اعتبار سے اقناعی ہیں ورنہ حقیقت میں وہ سب دلائل عقلیہ ہیں جو طرز عقلی پر بخوبی منطبق ہو سکتے ہیں بالخصوص دو موقعوں میں تو یہ انطباق بہت ہی ظاہر ہے ایک سورۂ بقرہ کی اس آیت میں ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنهار والفلك التي تجري في البحر بما ينفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاحيا به الارض بعد موتها وبث فيها من كل دابة وتصريف الرياح والسحاب المسخر بين السماء والارض لآيات لقوم يعقلون

وجود صانع و توحید پر دلیل عقلی

اس آیت میں چونکہ لفظ یعقلون موجود ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ دلیل عقل کے مطابق ہے اسلئے مفسرین کو موقع ملگیا کہ انہوں نے طرز عقلی پر اس کا انطباق خوب بیان کیا۔ دوسرا موقع اس آیت میں ہے لو کان فيهما آلهة الا الله لفسدتا ع حاصل اس دلیل عقلی کا یہ ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ سب ممکن الوجود ہیں بعض تو بداہۃً بوجہ مشاہدہ کے کیونکہ بعض کی نسبت ہمنے خود مشاہدہ کیا ہے کہ وہ پہلے معدوم تھیں پھر موجود ہوئیں اور بعض کے احوال میں تغیر وتبدل کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور بعض چیزیں اجزاء سے مرکب ہیں یہ بھی امکان کی علامت ہے اور بعض اشیاء بعض کی محتاج ہیں اور احتیاج بھی ممکن کا خاصہ ہے غرض یہ تمام چیزیں ممکن ہیں اور ممکن کا وجود وعدم چونکہ برابر ہوتا ہے اسلئے وہ کسی مرجح کا محتاج ہے۔ وہ مرجح اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام

ع وعظ میں یہ دلیل اس تفصیل سے بیان نہیں کی تھی محض اشارہ کیا گیا تھا احقر جامع نے تفسیر بیان القرآن مصنفہ حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم سے اسکو مفصل نقل کر دیا ہے مع تغییر یسیر فی العبارۃ توضیحاً للتسہیل ۱۲ جامع

ہوگا اور اُسکے وجود کیلئے بھی کسی مرجح کی ضرورت ہوگی وعلیٰ ہذا القیاس اور تسلسل محال ہی اسلئے اُسکو
قطع کرنیکے لئے کسی جگہ یہ ماننا پڑیگا کہ مرجح واجب الوجود ہی جس کا وجود ضروری اور معدوم ہونا محال ہی
وہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی یہ تو دلیل ہے وجود صانع کی اب رہا اُسکا واحد ہونا سو اُسکی تقریر یہ ہی کہ اگر
نعوذ باللہ واجب الوجود متعدد مثلاً دو مانے جاویں تو آیا اُنمیں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہی یا دونوں کا
قادر کامل ہونا ضروری ہے پہلی شق محال ہے کیونکہ عاجز ہوسکنے والا واجب الوجود نہیں ہوسکتا
اور دوسری شق پر یہ سوال ہے کہ اگر اُنمیں سے ایک نے کسی کام کا ارادہ کیا مثلاً زید کے موجود کرنیکا
تو دوسرا اُسکے خلاف کا ارادہ کرسکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کرسکتا تو اُسکا عاجز ہونا لازم آئیگا جو کہ وجوب
وجود کے منافی ہی اور اگر خلاف کا ارادہ کرسکتا ہی تو اُسکے ارادہ پر مراد کا مرتب ہونا ضروری ہی یا نہیں
اگر ضروری نہیں تو قادر مطلق کے ارادہ سے مراد کا تخلف لازم آئیگا جو کہ محال ہی اور اگر ضروری ہی تو دو
مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آویگا کیونکہ ایک واجب کے ارادہ پر اُسکی مراد یعنی زید کا وجود مرتب ہوگا
اور دوسرے کے ارادہ پر اُسکی مراد جو کہ پہلے کی ضد ہی یعنے زید کا عدم مرتب ہوگا اس صورت میں اجتماع
ضدین لازم آویگا جو کہ محال ہی پس واجب الوجود کا متعدد ہونا ہی محال ہی پس ثابت ہوگیا کہ

دلیل توحید میں ذکر نعمت کی حکمت

واجب الوجود ہمیشہ واحد ہی ہوگا اور یہی مقصود ہی خوب سمجھ لو) اس جگہ ایک بات خاص طور پر
سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اس طرز استدلال سے آپکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ توحید کی دلیل کیلئے مطلقاً کسی
مصنوع کا بیان کردینا کافی تھا مگر حق تعالیٰ نے ان مقامات پر خصوصیت کیساتھ اُن چیزوں کا
بیان فرمایا ہے جو علاوہ مخلوق و مصنوع ہونیکے ہمارے حق میں نعمت بھی ہیں جس سے حاصل یہ ہوا
کہ عبادت جسکی فرد اعظم توحید ہی اسوجہ سے بھی ضروری ہی کہ خدا کے سوا صانع و خالق کوئی نہیں
اور اسلئے بھی ضروری ہے کہ منعم بھی حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں گویا اس طرح دلیل عقلی کیساتھ
ایک داعی طبعی بھی بیان فرمادیا کیونکہ منعم کے احسان کا ماننا اور اُسکا شکر ادا کرنا انسان کا طبعی

نعمت ظاہرہ وباطنہ کی تعریف

امر ہے مطلب یہ ہوا کہ اگر عقلی دلیل سے متاثر نہیں ہوتے تو خدا تعالیٰ کے انعامات پر نظر کرکے
طبعی مؤثر سے تو متاثر ہونا چاہئے اس نکتہ کیوجہ سے تمام قرآن میں جہاں توحید کی دلیل کا
ذکر ہے وہاں نعمتوں کا ذکر ضروری ہی چنانچہ اس آیت میں سخر لکم میں لام منفعت سے انعام کیطرف
اشارہ ہی اور آگے تو بالکل تصریح ہی کردی واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃً وباطنۃً اور
کامل کردی تمھارے اوپر اپنی نعمتیں جن میں بعض ظاہری ہیں اور بعض باطنی ہیں اس میں نعمت
کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں نعمت ظاہرہ وہ ہی جو حواس ظاہرہ یا باطنہ سے محسوس ہو اور نعمت باطنہ

وہ ہے جو عقل سے معلوم ہوتا یہ جو حواس ظاہرہ سے محسوس ہو وہ ظاہرہ ہے اور جو حواس باطنہ و عقل سے
معلوم ہو وہ باطنہ ہے بہرحال اس میں نعمتوں کا اجمالاً پوری طرح احاطہ کردیا گیا اور یہ بھی حق تعالےٰ
کی رحمت ہے کہ انہوں نے نعمت کی تقسیم ظاہر فرمادی ورنہ نعم باطنہ کیطرف بہت کم لوگوں کی نظر جاتی

ف لوگ نعمت باطنہ کی قدر نہیں کرتے

کیونکہ اس تقسیم کے بعد بھی بہت لوگ ایسے ہیں جو نعم باطنہ کو نعمت ہی نہیں سمجھتے اور جو لوگ نعمت
سمجھتے بھی ہیں وہ نعم ظاہرہ کی برابر انکی قدر نہیں کرتے چنانچہ نعمت باطنہ یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو
اپنی معرفت عطا فرمائی سبکا فرد اعظم اسلام ہے اب ذرا انصاف سے تبلایئے کہ اتنے بڑے مجمع میں سے
ایسے لوگ کتنے ہیں جنہوں نے کبھی زبان سے یوں کہا ہو کہ اے اللہ آپکا شکر ہے کہ آپنے ہمکو اسلام کی دولت
عطا فرمائی۔ ایسے لوگ بہت کم نکلینگے اسیطرح علم اور حب فی اللہ۔ بغض فی اللہ۔ توکل۔ و رضا
وغیرہ یہ سب نعم باطنہ ہیں انپر شکر بہت کم لوگ کرتے ہیں اور یہ حال تو اسپر ہے کہ حق تعالیٰ نے نعم باطنہ کیطرف
متوجہ بھی فرمایا ہے اور اگر وہ نعمت کی تقسیم نفرماتے تو شاید کوئی بھی انکی طرف توجہ نکرتا الا من شاء اللہ

ف عقل بھی نعمت ہے اور اسکی حقیقت

اور ایک بہت بڑی فہرست نعمتوں کی ہماری نظر سے غائب ہوجاتی چنانچہ خود عقل بھی ایک نعمت ہے
جو کہ ایک نور کا نام ہے جو انسان کو حق تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جسکی وجہ سے وہ مدرک کلیات ہے اور یہ بھی
نعم باطنہ میں داخل ہے۔ باطنہ فرمانیسے اسپر متنبہ ہوگئی اور اسپر تنبیہ کی ضرورت بھی تھی کیونکہ بعض لوگ

ف بعض لوگ عقل کے منکر ہیں

عقل کے منکر ہیں انہوں نے دعوے کیا ہے کہ انسان کے اندر عقل نہیں ہے حالانکہ جانور اور انسان میں
فرق ظاہر ہے مگر یہ خدا کے بندے پھر بھی عقل کے منکر ہیں اسکا عقلی جواب تو ہے ہی مگر لطیفہ کے طور پر
ایک جواب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے تو وہ جو عقل کے منکر ہیں وہ اپنا حال بیان کرتی
ہیں سو تمہیں واقعی عقل نہوگی اور ہمکو اپنے گھر کا حال معلوم ہے اور ہمارے اندر عقل ہے ہمکو خود اپنا

ف لطیفہ

حال معلوم ہے اسلئے ہم عقل کے منکر نہیں ہیں۔ یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ ایک بزرگ نے معتزلہ کی
جواب میں بطور لطیفہ کے فرمایا ہے کہ معتزلہ جو رویت الٰہیہ کے آخرت میں منکر ہیں وہ بھی صحیح کہتے ہیں
اُن کی بات کو رد کرنیکی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بیچارے اپنا حال بیان کررہے ہیں کہ ہم آخرت میں
رویت الٰہیہ سے محروم رہینگے سو وہ اس نعمت سے محروم ہیں اسلئے وہ انکار میں معذور ہیں اور اہل
سنت والجماعت جو رویت کے قائل ہیں وہ اپنا حال بیان کررہے ہیں سو انشاء اللہ ہمکو دیدار ہوگا
اسلئے ہم اسکے قائل ہیں۔ الغرض عقل کے وجود میں بھی بعض لوگوں نے کلام کیا ہے اسلئے کوئی
یہ نہیں کہسکتا کہ اس نعمت پر متنبہ کرنیکی ضرورت نہ تھی۔ بہرحال عقل کے وجود پر دلیل صحیح اور کشف
موجود ہے جس سے معلوم ہوگیا ہے کہ انسان کے اندر ایک نور ادراک ایسا ہے جو حیوانات کے اندر نہیں ہے

بلوغ سے عقل کامل ہو جاتی ہے

اور اسی سے انسان حیوانات وغیرہ سے ممتاز ہے اور یہ عقل انسان کے ساتھ ساتھ اُس میں پیدا ہوتی ہے
جو ابتدا میں اپنا کام نہیں کرتی کیونکہ بچپن میں تمام قوی باطنہ قوی ظاہرہ کیطرح تدبیر بدن میں مصروف
ہوتے ہیں اسلئے پیدا ہونے کے ساتھ ہی عقل اپنا کام نہیں کرتی پھر جوں جوں بدن کی قوت بڑھتی جاتی
ہے اُسی قدر عقل اپنا کام کرتی ہے حتی کہ بلوغ کیوقت شرعاً وہ کامل ہو جاتی ہے اسی لئے شریعت نے بالغ کو
احکام کا مکلف بنایا ہے اسپر یہ اشکال ہو کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ابتداء بلوغ میں بھی اکثر لوگوں کو پوری
عقل نہیں ہوتی پوری عقل تو ٣٠ یا ٤٠ سال کی عمر میں پیدا ہوتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ بلوغ کیوقت
عقل تو کامل ہو جاتی ہے لیکن تجربہ کم ہوتا ہے اور ٣٠ و ٤٠ سال کی عمر میں تجربہ بھی کافی ہو جاتا ہے
اس عمر میں کچھ عقل نہیں بڑھتی بلکہ تجربہ بڑھجاتا ہے لیکن تجربہ کیوجہ سے اسکی باتوں میں اور اعمال میں
پختگی اور استواری پیدا ہو جاتی ہے اس سبب سے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ ٣٠ و ٤٠ سال کی عمر میں عقل زیادہ
ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس عمر میں عقل ہی بڑھجاتی ہو لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آیا
کہ بلوغ کیوقت عقل کامل نہیں ہوتی۔ بس یوں کہنا چاہئے کہ بلوغ کیوقت اتنی عقل ضرور ہو جاتی ہے
کہ احکام الٰہیہ کو اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکے پھر اسکے بعد دن بدن عقل کو ترقی ہوتی رہتی ہے مگر وہ
ترقی تکلیف احکام کا موقوف علیہ نہیں مکلف ہونیکے لئے وہی مقدار عقل کافی ہے جو بلوغ کیوقت

منکرین معاد کی ایک غلطی پر تنبیہ

عموماً ہوتی ہے اور یہاں سے منکرین معاد کی ایک غلطی معلوم ہوئی وہ یہ کہ بعض لوگ معادیات کا انکار
اسلئے کرتے ہیں کہ وہ امور محسوسہ نہیں ہیں مثلاً جنت و دوزخ کا انکار اسلئے کرتے ہیں کہ اُنکا مشاہدہ
نہیں ہوا تو اُنکو اس تقریر سے سمجھنا چاہئے کہ بعض امور متفق علیہا مسلم عند الکل بھی ایسے ہیں جنکے وجود
کا محض دلیل سے اعتقاد کیا گیا ہے اور اُنکا مشاہدہ کسی نے آجتک نہیں کیا جیسے عقل اور روح وغیرہ
کہ منکرین معاد بھی اسکے وجود کا اقرار کرتے ہیں اب اگر ہر چیز کا وجود مشاہدہ کے بعد ہی تسلیم کیا جایا کرے
تو پھر یہ لوگ عقل و روح کے وجود کے کیونکر قائل ہو گئے بس معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں
جنکا وجود یقینی ہے مگر مشاہد و محسوس نہیں اسیطرح ہم جنت و دوزخ وغیرہ کے بارہ میں کہتے ہیں کہ
ان اشیاء کا وجود بھی دلیل صحیح سے ثابت ہے لہذا اسکو تسلیم کرنا لازم ہے گو مشاہدہ کسی نے نکیا ہو
اور جس طرح عقل نعم باطنہ میں سے ہے اسیطرح بعض علوم بھی جنکا ادراک عقل سے ہوتا ہے نعم
باطنہ میں سے ہیں جیسے تمام علوم عقلیہ گو وہ منقول ہی ہوں اُنکا ادراک عقل ہی سے ہوتا ہے حواس سے
نہیں ہو سکتا کیونکہ نقل میں الفاظ کا ادراک سمع سے ہوتا ہے اور نقوش کا بصر سے لیکن معانی
کا ادراک تو عقل ہی سے ہوتا ہے اور علوم نام معانی ہی کا ہے اسیطرح جسقدر باطنی حالات

وکیفیات واخلاق ومقامات ہیں وہ بھی سب نعم باطنہ میں داخل ہیں اور یہ سب ظاہری اور باطنی نعمتیں حق تعالیٰ ہی نے عطا فرمائی ہیں اُنکے سوا صانع وخالق اور منعم کوئی نہیں پس معبود بھی اُنکے سوا کوئی نہیں یہ حاصل ہے توحید کی دلیل کا آگے حق تعالیٰ منکران توحید کی شکایت فرماتے ہیں ومن الناس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتٰب منیر یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جدال کرتے ہیں یجادل فی اللّٰہ سے مراد یجادل فی توحید اللّٰہ ہے مضاف مقدر ہے یعنی خدا کی توحید میں جھگڑا کرتے اور اُسکا انکار کرتے ہیں اور ان دلائل بینہ میں غور نہیں کرتے۔ اس آیت میں منکرانِ توحید کی متعدد مذمتیں مذکور ہیں چنانچہ اول تو جدال ہی فی نفسہ مذموم ہے کیونکہ ہرچند کہ بظاہر جدال کی دو قسمیں ہیں ایک جدال بحق ہے ایک جدال بالباطل جیسا کہ جادلھم بالتی ھی احسنُ سے معلوم ہوتا ہے کہ جدال کا اطلاق جدال بحق پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کے تتبع سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں جدال اور جدل کا اطلاق اکثر جدال بالباطل پر ہی ہوتا ہے یہ بات سارے قرآن کو دیکھکر بھی نہ ٹوٹے گی۔ اور جہاں جدال بالحق پر جدال کا اطلاق آیا ہے وہ اطلاق صورت جدال پر مشاکلۃً ہے کیونکہ خواہ جدال بالحق ہو یا بالباطل صورت دونوں کی ایک سی ہوتی ہے جیسا مشاکلۃً جزاءُ سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا فرمایا گیا کیونکہ صورۃ دونوں یکساں ہوتے ہیں صورت کے یکساں ہونے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک مولوی صاحب کی دستار بندی ہوئی تھی مگر وہ کسی قابل نہ تھے کتابیں سمجھکر نہ پڑھی تھیں دستار بندی کیوقت استاد سے کہنے لگے کہ اسوقت تو لوگ مجھے فاضل سمجھینگے مگر میں حقیقت میں فاضل ہوں نہیں اگر لوگ مجھسے مسائل دریافت کرنے لگے تو میں کیا کروں استاد نے کہا کہ میں ایسی ترکیب تبلاتا ہوں جس سے تمہاری رسوائی نہ ہوگی بلکہ اور وقعت بڑھ جائیگی۔ تم ہر سوال کے جواب میں یہ کہدیا کرنا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اسکے بعد کچھ نہ کہنا ورنہ قلعی کھل جائیگی۔ تو اب دیکھئے یہ جواب ایسا ہے کہ اسکو بڑا محقق وسیع النظر بھی بیان کرسکتا ہے اور ایک جاہل بھی کہسکتا ہے ظاہر میں دونوں کے جواب یکساں ہوگئے لیکن حقیقت شناس فرق کو سمجھ لیگا اسیطرح جدال بالحق وبالباطل کی صورت یکساں ہوتی ہے اس لئے دونوں پر جدال کا اطلاق یکساں کردیا جاتا ہے مگر حقیقت دونوں کی بالکل جدا ہے چنانچہ اس واقعہ میں آخران مولوی صاحب کی قلعی ایکدن کھل ہی گئی بات یہ ہے کہ سمجھنے والے لب ولہجہ سے سمجھ جاتے ہیں کہ اس قول کا منشا تحقیق اور وسعت نظر ہے یا جہل محقق کے لہجہ میں جرأت اور استغنا کی شان ہوتی ہے اور ناقص اگر بڑی بات منہ سے نکالیگا تو اُسکے لہجہ میں پستی اور کم ہمتی نمایاں ہوگی وہ محقق کیطرح جرأت کیساتھ ایسی بات نہیں کہسکتا اسلئے کوئی پرکھنے والا سمجھ گیا

منکران توحید کی مذمت

قرآن میں جدال کا اطلاق اکثر جدال بالباطل پر ہوتا ہے

لطیفہ

[illegible]

کہ یہ مولوی صاحب جو ہر بات میں یہی کہدیتے ہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ انکو کچھ آتا واتا نہیں محض ڈھونگ بنا رکھا ہے اُسنے امتحان کے طور پر پوچھا کہ مولانا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بارہ میں کیا تحقیق ہے تو آپ بیساختہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے بس اُنکو یہی ایک جواب یاد تھا جیسے ایک طوطی کا قصہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ کسی شخص نے اُسکو یہ لفظ یاد کرا دیا تھا دریں چہ شک۔ اور بازار میں آکر دعویٰ کیا کہ یہ طوطی فارسی زبان جانتی ہے لوگوں کو بہت تعجب ہوا ایک شخص نے اُسکو خریدنا چاہا مالک نے بہت قیمت بتلائی اُسنے طوطی سے پوچھا کہ کیا تو اس قیمت کے لائق ہے جو یہ شخص مانگتا ہے اسنے وہی کہا دریں چہ شک۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ واقعی طوطی فارسی خوب جانتی ہے دیکھو کیسا برمحل جواب دیا ہے اب تو خرید کر گھر لیگئے اور اُس سے باتیں کرنے بیٹھے تو وہ ہر بات کے جواب میں دریں چہ شک ہی کہتی چلی جاتی ہے موقع ہو یا نہو آخر اُسنے جھلا کر کہا کہ میں نہایت ہی احمق تھا جو اتنی رقم کثیر خرچ کر کے تجھکو لایا اور دھوکہ میں آگیا۔ اُسنے اُسکے جواب میں بھی وہی کہدیا دریں چہ شک خیر یہاں تو جواب برمحل ہو گیا گو اسنے قصد نہیں کیا تھا اسیطرح اُن مولوی صاحب کو بھی بس اتنا ہی یاد تھا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے حتیٰ کہ آپ نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو بھی اختلافی بتلایا اگرچہ فی نفسہ یہ بھی صحیح تھا کیونکہ کفار کو توحید و رسالت میں بھی اختلاف ہے لیکن مسلمان کے استفسار کے جواب میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے تو اُس میں تو ائمۂ مذاہب کا بھی اختلاف مراد ہوتا ہے بس اب تو لوگوں میں اُن مولوی صاحب کی خوب ہی قلعی کھلی کہ یہ کون جاہل ہے جو کلمہ شریف کو بھی اختلافی بتلاتا ہے۔ اسی کے مشابہ ایک اور حکایت مجھے یاد آئی۔ کانپور میں عبدالرحمٰن خانصاحب مالک مطبع نظامی کا ایک ملازم تھا وہ مجھسے کہا کرتا تھا کہ جب تم حج کو چلو تو مجھکو بھی ساتھ لیچلنا میں نے اُس سے کہا کہ پہلے تم کچھ عربی سیکھ لو تاکہ وہاں کی زبان سمجھ سکو وہ بیچارہ عربی سیکھنے پر بھی راضی ہو گیا میں نے اُسکو اول یہ لفظ سکھایا ھات الحجر اور یہ کہدیا کہ جب میں یہ لفظ کہا کروں تم اُسیوقت استنجا کیواسطے مجھے ڈھیلا لا دیا کرو۔ وہ بیچارہ روز اسپر عمل کرتا ایکدن مجھے استنجا کی ضرورت نہ تھی اسلئے میں نے ڈھیلا نہ مانگا تو آپ خود ہی کہتے ہیں مولوی صاحب ھات الحجر میں نے کہا سبحان اللہ بندر کے ہاتھ لگی ہلدی کی گرہ اُسنے کہا میں ہی پنساری ہوں اب آپ نے ھات الحجر کیا سیکھا ہے کہ ہر جگہ اُسی کا استعمال شروع کر دیا امر کا صیغہ استفہام میں برت رہے ہیں۔ اسی طرح ایک مرتبہ جہاز میں بنگالی لوگ آکر اپنی زبان میں کچھ سوالات کرتے جنکو میں نہ سمجھتا اور اُنکو یہ بھی نہ سمجھا سکتا کہ میں نہیں سمجھا آخر میں نے ایک اردو داں بنگالی سے کہا کہ مجھے اتنا بنگلہ سکھا دو کہ جب کوئی ایسا بنگالی مجھسے بنگلہ میں باتیں کرے تو میں اُس سے

یہ کہدوں کہ میں بنگلہ نہیں سمجھتا اُنھوں نے کہا کہ تم یوں کہدیا کرو بنگالی بوزی نا یعنی بوجھی نا اور سننے میں بوزینہ آتا ہے جسکے معنے فارسی کے اعتبار سے بہت بُرے ہیں، تو مجھے ایک مشغلہ ہاتھ آگیا میں بنگالیوں سے یہی کہدیا کرتا بنگالی بوزینہ اور اس میں میرے نفس کی شرارت بھی مضمر ہوتی تھی مگر ایک بنگالی نے مجھے خوب ہی جواب دیا جب میں نے اُس سے کہا بنگالی بوزینہ تو اسنے بیساختہ جوابدیا ہندوستانی بوزینہ یعنی میں اردو نہیں سمجھتا الغرض جدال بالحق کو مشاکلۃً جدال کہدیا گیا ہے۔ مجھے مشاکلت پر ایک اور مسئلہ یاد آگیا وہ یہ کہ انبیاء و اولیاء پر جو مصیبت آتی ہے وہ صورت مصیبت ہے حقیقت مصیبت نہیں کیونکہ مصیبت کے بارہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے مَآ اَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ کہ تمکو جو کچھ مصیبت پہونچتی ہے وہ تمھارے ہاتھوں کے کرتوت کیوجہ سے ہے اسپر اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیاء پر بھی تو مصیبت آئی ہے تو کیا اُن پر بھی گناہوں کے سبب سے آئی ہے اسکا ایک جواب تو تسلیم ہے کہ ہاں ہر ایک اپنے درجہ کے موافق خطا سے کون خالی ہے لیکن یہ جواب اولیاء کے بارہ میں تو صحیح ہے انبیاء کے بارہ میں بے تکلف جاری نہیں ہوسکتا کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے جو کچھ خطا ہوتی ہے وہ اجتہادی خطا ہے جسپر انکو ثواب ملتا ہے تعمد معصیت کی اُن میں ہرگز گنجائش نہیں اسلئے وہاں یہ کہنا کہ مصائب کا سبب اُنکی خطائیں ہیں بہت بعید ہے بلکہ اُنکی مصائب کا سبب محض رفع درجات ہے تو مَآ اَصَابَكُم کا خطاب صرف عصاۃ کو ہوگا چنانچہ مَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ اسکا قرینہ ہے اسلئے دوسرا جواب سب سے لطیف یہ ہے کہ یہ بالکل سچ ہے کہ مصیبت گناہوں ہی کیوجہ سے آتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مصیبت کہتے کسکو ہیں مصیبت وہ ہے جس سے پریشانی اور انقباض لاحق ہو اور انبیاء و اولیاء بیماری وغیرہ سے پریشان اور منقبض نہیں ہوتے تو یہ بیماری اور فاقہ اور تنگدستی وغیرہ اُنکے حق میں مصیبت ہی نہیں بلکہ راحت ہے جیسے کوئی معشوق پیچھے سے آکر اپنے عاشق کو بغل میں دبالے اول اول تو اُسکو کلفت معلوم ہوگی لیکن جب یہ معلوم ہوجائے گا کہ دبانیوالا محبوب ہے اُسوقت ساری کلفت دور ہوجائے گی، اور چاہے گا کہ تھوڑی دیر اور دبائے رہے حدیث میں زاہر صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ وارد ہے یہ دیہات کے رہنے والے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں دیہات کی چیزیں لایا کرتے تھے اور آپ اُنکو شہر کی چیزیں عطا فرمایا کرتے تھے چنانچہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے زاهرٌ بادیتنا ونحن حاضرته حضور کو اُنسے بہت محبت تھی ایکمرتبہ یہ بازار میں جارہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے تشریف لاکر انکو دبالیا۔ اول تو نہایت گھبرائے کہ یہ کون ہیں جب معلوم ہوا کہ حضور ہیں تو

انبیاء و اولیاء پر بعض کو صورت مصیبت آتی ہے

عصاۃ = گنہگار

مصیبت وہ ہے جس سے پریشانی ہو

حضرت زاہر صحابی کا قصہ

حدیث میں آتا ہے کہ پھر تو زاہر اپنی کمر کو حضور کے سینے سے خوب لگانے لگے تاکہ جسد اطہر سے مَس ہو کر برکت حاصل ہو جائے پھر آپ نے فرمایا کہ کوئی اس غلام کو خریدتا ہے وہ کہنے لگے یا رسول اللہ اگر آپ مجھے فروخت کرینگے تو مجھے بہت کھوٹا پائینگے میرا کوئی بھی ٹکا کہ نہ ملے گا آپ نے فرمایا لیکن تم خدا کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو۔ تو کیا کوئی یہ کہسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دبا لینے سے حضرت زاہر کو کچھ کلفت ہوئی تھی ہرگز نہیں اسمیں جو کچھ اُنکو لطف آیا ہوگا اُنہی کے دلسے پوچھنا چاہیئے (پھر غلام کے لفظ سے یاد کرنے میں جو مسرت حضرت زاہر کو حاصل ہوئی ہوگی اُسکو انکے سوا کون بتلا سکتا ہو کسی نے خوب کہا ہے ؎

بس کہا کر مجھکو اے میرے غلام　　　سب سے پیارا نام ہی میرا یہی۔ ۱۲ من الجامع)

اسیطرح انبیاء و اولیاء پر جب کلفت آتی ہی تو وہ یہ سمجھکر کہ نازل کرنیوالا کون ہی یوں کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　　دل فدائے یار دل رنجان من

بلکہ بعض دفعہ جو اُس کلفت کے انوار و آثار کو دیکھتا ہے تو عراقی کیطرح زبان حال سے کہتا ہی ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

پھر اُسکو بیماری اور تنگدستی سے محبت ہو جاتی ہے اُسکا دور ہونا پسند نہیں ہوتا۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا پر جب فاقہ اور مرض نہوتا تو بیقرار ہو کر فرماتیں کہ شاید محبوب ناراض ہیں جو بہت دنوں سے پیام و سلام نہیں آیا۔ یعنی فاقہ اور بیماری یہ اُنکے نزدیک محبوب کا پیام و سلام تھا۔ پھر ان لوگوں کی بیماری اور فاقہ مستی کو مصیبت کون کہسکتا ہی ہاں یوں کہئے کہ صورت مصیبت ہی جیسے آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض کاریگر لوگ مٹھائی کی چیزیں بنایا کرتے ہیں کبھی مٹھائی کا درخت بناتے ہیں کبھی پھول پتے وغیرہ تو عوام کی مصیبت کو اور خواص کی مصیبت کو یوں سمجھئے جیسے ایک تو نیم کا اصلی پتہ ہو دوسرا اُسی کی شکل میں مٹھائی کا بنا ہوا پتہ ہو صورت دونوں کی یکساں ہے مگر حقیقت میں آسمان زمین کا فرق ہی کہ ایک تلخ ہے ایک شیریں ہی اسی لئے حضرت رابعہ فاقہ و مرض کے نہ آنیسے بچین ہو جایا کرتی تھیں آخر انکو کچھ تو مزہ اس میں آتا ہوگا لیکن یہ ایک مذاق ہے اور دوسرا مذاق اس سے بھی بڑھکر ہی کہ ہر حال میں خوش ہو۔ نہ صحت سے بچین ہو نہ مرض سے نہ فاقہ کے آنیسے گھبرائے نہ جانیسے اس نے بھی راضی ہو اُس سے بھی راضی ہو بس اُسکا حال اس کا مصداق ہو ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

انبیاء و اولیاء کو مصائب میں بھی لذت حاصل ہوتی ہے

حضرت رابعہ بصریہ کی حکایت

عوام و خواص کی مصائب کا فرق بطور تمثیل کے

بعض اکمل اہل تعلق ہر حال میں راضی رہتے ہیں

اور یہ حالت اسلئے افضل ہے کہ اس میں اپنے اختیار وارادہ کا فنا رکلی ہے کہ اپنے لئے کسی حالت کو تجویز نہیں کرتا اگر حق تعالیٰ تندرست رکھیں مال و دولت عطا فرمادیں اس سے بھی راضی ہے اگر بیمار رکھیں فاقہ بھیجیں اس سے بھی خوش ہے خوشی اور غم کلفت وراحت مدح ومذمت دونوں سکے نزدیک برابر ہیں اور یہی کمال عبدیت ہے لوگ اہل اللہ کی تکالیف کو دیکھکر سمجھتے ہیں کہ وہ بھی انکی طرح پریشان ہونگے مگر جسکو یہ دولت حاصل ہو جسکا مذاق عبدیت اور فنا ہو چکا ہو بھلا وہ بھی کہیں تکلیف سے پریشان ہوا کرتا ہے یہ ممکن ہے کہ وہ روتے بھی ہوں آہ بھی کرتے ہوں بیماری میں تڑپتے بھی ہوں مگر اس تڑپنے سے انکا دل پریشان نہیں ہوتا دل کو اُسوقت ایک خاص سرور ولذت حاصل ہوتی ہے باطن میں وہ پوری راحت میں ہوتے ہیں ؎

دمادم شراب الم در کشند وگر تلخ بینند دم در کشند

آخر آپ نے سنا ہوگا کہ بعض عشاق نے محبوبوں کے ہاتھ سے قتل ہونا بخوشی گوارا کیا ہے تو کیا قتل کے بعد اُنکی لاش تڑپی بھی تھی تڑپی ضرور تھی لیکن اُسکو خلاف محبت وعشق کوئی نہیں سمجھتا اسی طرح اگر اہل اللہ سے ظاہر میں کلفت کیوجہ سے آہ ونالہ اور اضطراب صادر ہو تو یہ محبت کے خلاف نہیں کیونکہ یہ تو طبعی امر ہے کہ کلفت کا احساس ہو ہاں اُنکا دل مسرور ہوتا ہے جسپر واقعات بکثرت شاہد ہیں۔ ایک بزرگ کے بدن میں کیڑے پڑے ہوئے تھے وہ بیچارے راستہ میں سڑک کے کنارے آپڑے تھے اُن پر ایک دوسرے بزرگ کا گذر ہوا اُنکو اُنکی حالت دیکھکر رحم آیا دیکھا کہ زخموں پر ہزاروں مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں ان بزرگ نے ترس کھاکر اُنکا سر اٹھاکر اپنے زانوں پر رکھ لیا اور پنکھا جھلنے لگے۔ اُس شخص نے معاً آنکھیں کھولدیں اور کہا جاؤ یہ کون ہے جو میرے اور محبوب کے درمیان آکر حائل ہوگیا تم میرے حال پر کیا ترس کھاتے ہو مجھے تمھارے حال پر رحم آتا ہے یہ حکایت تو کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور ایک واقعہ میرے بچپن کے زمانہ کا ہے میرے ایک عزیز جو درویش تھے کمبل اوڑھے ہوئے اپنے ایک عزیز سے ملنے آئے وہ دوسرے صاحب شال اوڑھے ہوئے تھے یہ شال اوڑھنے والے ان درویش سے کہنے لگے کہ تمنے کیا ڈھونگ بنایا ہے کہ لباس چھوڑکر کمبل لادلیا یہ کمبل تو زہر لگتا ہے تو وہ درویش بیساختہ کہنے لگے کہ مجھے تمھارا یہ شال زہر لگتا ہے میں کیا کروں معترض آپکو اُنکی کلفت پر رحم آتا ہے اور اُنکو آپکی تندرستی وناز ونعم پر رحم آتا ہے کہ یہ لوگ آخرت میں درجات سے اور دنیا میں محبوب کی چھیڑ چھاڑ سے محروم ہیں۔ حضرت شبلی رح جب کسی امیر کو دنیا میں منہمک دیکھتے تو یہ دعا پڑھا کرتے الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ

حکایت ایک بزرگ کی

دوسری حکایت

حکایت حضرت شبلیؒ

وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلاہ حدیث میں یہ دعا بیمار کو دیکھکر پڑھنے کیلئے وارد ہوئی ہے
کہ جب کسی مریض و مبتلا کو دیکھو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو انشاء اللہ تم اس مرض و بلا سے محفوظ رہو گے
مگر فقہار نے یہ لکھا ہے کہ یہ دعا آہستہ سے پڑھے مریض کو سنا کر نہ پڑھے تاکہ اُسکی دلشکنی نہو تو حضرت
شیخ رح زیادہ دنیا کو بھی بلا سمجھتے تھے اور اُس سے محفوظ رہنے پر شکر کرنے کیلئے یہ دعا پڑھا کرتے
تھے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات فقر سے کس درجہ راضی ہونگے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ
کو بادشاہ سنجر نے لکھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حضرت کی خانقاہ کیلئے ملک نیمروز کا کوئی حصہ وقف کردوں
تاکہ ذاکرین و شاغلین کے خرچ کو کافی ہو جایا کرے آپ نے اُسکے جواب میں یہ قطعہ لکھکر بھیجا ؎

حضرت غوث اعظم کی حکایت

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد | در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب | من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

ان عارفین کے کلام میں ظاہری شوکت و بلاغت بھی بہت ہوتی ہے اور باطنی شوکت تو ان کا
حصہ ہے۔ آخر کوئی بات تو انکو نصیب ہے جو دنیا کی لذتوں سے اسقدر سیر ہو گئے۔ صاحبو! ان کے
دل میں ایک دولت ہے جس نے انکو سب دولتوں سے بے نیاز کر دیا ہے وہ کیا ہے وہ یہ دولت ہے
جسکو عارف شیرازی نے بیان فرمایا ہے ؎

عارفین کے کلام میں ظاہری بلاغت و شوکت بھی بہت ہوتی ہے

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روی | بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے و ہوئے

واللہ العظیم فراغت قلب کیساتھ محبوب کیطرف نظر کرنا سلطنت ہفت اقلیم سے افضل ہے
خاقانی کہتے ہیں ؎

فراغ قلب کیساتھ محبوب کی طرف نظر کرنا سلطنت سے افضل ہے

لیس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی | کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اس میں سلیمان علیہ السلام کی توہین کا شبہ کیا جائے چنانچہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہوگا کہ یکدم با
خدا ہونا ملک سلیمانی سے افضل ہے تو معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اُنکے لئے

؎ الحمد للہ اسکا نمونہ اسوقت بھی موجود ہے میرے مخلص دوست جناب خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری جو بفضلہ تعالیٰ دولت جذب و معرفت سے مالامال ہیں کبھی کبھی اشعار بھی تصنیف فرمادیا کرتے ہیں باوجودیکہ آپ کسی شاعر کے شاگرد نہیں مگر طبیعت خداداد کیساتھ جذب باطنی کے ملجانیسے آپکے کلام میں وہ شوکت و صولت ہے کہ بعض مشاعروں میں جب آپکی غزلیں پڑھی گئیں تو بڑے بڑے نامی شعراء کی غزلیں پھیکی پڑ گئیں بعض مرتبہ خواجہ صاحب کے کسی شعر کی داد میں لوگ بیساختہ کھڑے ہو ہو جاتے تھے بعد میں یہانتک نوبت پہونچی کہ شعراء کو آپ سے حسد ہونے لگا پس یہ بات بالکل سچ ہے کہ عارفین کے کلام میں ظاہری شوکت و صولت و بلاغت بھی زیادہ ہوتی ہے کثر اللہ فینا امثالہم آمین ۱۲ ج

مفضول حالت بھی جواب یہ ہے کہ مطلب شعر کا یہ ہے کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی کہ بجسے غیر سلیمان علیہ السلام داده شود و باقی سلیمان علیہ السلام کا ملک اُنکے حق میں باخدا بودن کے خلاف نتھا بلکہ وہ تو اس سلطنت میں بھی ہردم باخدا تھے اُن کی سلطنت بھی ذکر میں داخل تھی کیونکہ ذکر کی ایک نوع یہ بھی ہے لنگوٹہ باندھنے ہی کا نام بندگی نہیں کاملین کو دنیا خدا تعالیٰ سے غافل نہیں کیا کرتی یہ حالت ناقصین کی ہوا کرتی ہے اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب سلطنت کی دعا کی ہے تو ساتھ میں یہ بھی فرما دیا رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی یعنی مجھے ایسا ملک عطا ہو جو میرے بعد والوں کے لئے ملنا مناسب نہو مولانا رومی اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ظاہراً اس سے حرص وحسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقع میں یہ ضعفاء کے حق میں انہوں نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی جسکی توجیہ یہ ہے کہ من بعدی میں بعدیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ بعدیت رتبیہ مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ ایسا ملک مجھے عطا کیا جائے جو میرے درجہ والوں کیلئے خواہ مناسب ہو مگر مجھسے کم درجہ والوں کے لئے غیر مناسب ہوگا یعنی انکو عطا نکیا جائے کیونکہ وہ ایسی سلطنت سے کفر و تکبر میں مبتلا ہو جائینگے اب اس تفسیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ تو سلیمان علیہ السلام کے اعتبار سے مَن معی بلکہ من قبلی ہیں یعنی آپ تو اُنکے ہمرتبہ نبوت و رسالت میں ہیں اور درجہ میں اُنسے بھی افضل ہیں ختم ہوئی تفسیر مولانا کی واقعی تفسیر کوئی ان حضرات سے سیکھے الغرض سلیمان علیہ السلام کا ملک اُنکے حق میں باخدا ہونیکے خلاف نتھا وہ سلطنت کیساتھ بھی ہردم باخدا تھے اور حضرت سلیمان کو تو ملک کیا مضر ہوتا جبکہ حضرات صحابہ کو مضر نہوا بزرگوں نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کے پاس دنیا ایسی تھی جیسے منتر جاننے والے کے ہاتھ میں سانپ جس طرح منتر جاننے والے پر سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہوتا اسیطرح حضرات صحابہ پر دنیا کا اثر نہوتا تھا اسکی وجہ کیا تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اُن حضرات کے ہاتھ میں دنیا تھی دل میں دنیا نہ تھی دل میں خدا کی محبت و معرفت اسدرجہ بھری ہوئی تھی کہ وہاں دنیا و مافیہا کا گذر ہی نتھا مولانا نے عجیب مثال بیان فرمائی ہے ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است ۔۔۔ آب اندر زیر کشتی پشتی ست

اور حضرات صحابہ کی بھی بڑی شان ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اُنہی کا درجہ ہے۔ صاحبو! اولیاء امت میں بھی ایسے بکثرت ہوئے ہیں جنکو سلطنت و ملک نے ایک ساعت کیلئے بھی باخدا ہونیسے نہیں روکا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رح بہت بڑے بزرگ تھے اور اسی کیساتھ آپکے یہاں شاہانہ ٹھاٹھ بھی تھا مولانا جامی رح زمانہ طلب میں حضرت خواجہ صاحب کی بزرگی کا حال سنکر ملنے گئے

خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا تو وہاں پورا شاہانہ سامان تھا مولانا جامی کو خطرہ ہوا کہ یہ شخص ولی اور عارف کیا ہوگا جسکے یہاں اسقدر دنیا بھری ہوئی ہے ولی کو تو فقیر ہونا چاہیئے اس خطرہ کو قوت ہوئی تو آپ نے برملا خواجہ صاحب کے منہ پر کہدیا ع نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد + اور یہ کہکر وہاں ٹھیرے بھی نہیں آکر مسجد میں لیٹ رہے یہاں انکی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتے ہیں کہ میدان حشر قائم ہے اور ایک شخص مولانا جامی کے سر ہورہا ہے کہ میرا آپ کے ذمہ فلاں حق ہے وہ ادا کیجئے آپ کہتے ہیں کہ بھائی میرے پاس تو کچھ نہیں اُسنے کہا پھر میں آپکی نیکیاں لونگا یہ بڑے پریشان تھے کہ اتنے میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رح کی سواری سامنے سے گذری اور اُنہوں نے مولانا جامی کو اس حال میں دیکھکر اپنی سواری روک لی اور فرمایا کیا قصہ ہے حقدار نے اپنا مطالبہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ یہ شخص میرا مہمان ہے اسکو تنگ نکرو اور جو کچھ لینا ہو ہمارے خزانہ سے جو ہمارا یہاں جمع ہے جاکر لیلو ہیبت سے آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ خواجہ صاحب نماز کے لئے سواری پر آرہے ہیں مولانا جامی کے دل پر خواجہ صاحب کا رعب اور اُنکی ہیبت جمگئی اور یہ سمجھے کہ واقعی یہ شخص خالی نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بڑا ہی صاحب ظرف ہے جسکو دنیا خدا سے غافل نہیں کر سکتی مولانا جامی بیساختہ دوڑکر قدموں میں جاگرے اور قصور کی معافی چاہنے لگے اُنہوں نے ہنسکر فرمایا کہ میاں خواب وخیال پر اعتماد نہیں کیا کرتے - ابتو انکو اور بھی اعتقاد بڑھا کہ معلوم ہوتا ہے یہ خواب بھی آپ ہی کا تصرف تھا اور اگر تصرف نتھا تو آپ کا کشف ہی بہت صحیح ہے بہرحال کھلی کرامت ظاہر ہوئی مولانا جامی نے معافی چاہنے کے بعد سلسلہ میں داخل ہونیکی درخواست کی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ذرا ہمکو اپنا وہ مصرعہ دوبارہ سنانا جو تمنے آتے ہی پڑھا تھا - مولانا جامی نے عرض کیا کہ حضور وہ تو میری جہالت تھی اب میری کیا مجال ہے جو ایسی بات زبان سے کبھی نکالوں - فرمایا ایکبار تمنے اپنی خواہش سے پڑھا تھا ایکبار ہماری خاطر سے پڑھدو اور یہ بے ادبی نہیں کیونکہ ابتو ہم خود اصرار کر رہے ہیں تم الامر فوق الادب کا لحاظ کرکے پڑھدو - غرض اُنہوں نے مجبور ہوکر پڑھا ع نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد حضرت خواجہ احرار رح نے بیساختہ دوسرا مصرع ارشاد فرمایا ع اگر دارد برائے دوست دارد + سبحان اللہ کیا عجیب جواب ہے جس میں کاملین کے پاس دنیا ہونیکی حقیقت کھولدی کہ وہ جو کچھ رکھتے ہیں دوست یعنے محبوب حقیقی کے لئے رکھتے ہیں اپنے نفس کے لئے یہ ساز وسامان نہیں رکھتے یعنی مقصود بالذات نفس کی راحت نہیں ہوتی بلکہ ہرحال میں رضا کا قصد ہوتا ہے گو اس کی ساتھ راحت نفس بھی لازم آجائے - اور حقیقت میں یہ بڑا کمال ہے کہ متاع دنیا میں مشغول ہوکر انسان کا دل خدا سے

تغافل نہو الغرض کاملین کی نظر میں راحت و کلفت خوشی اور غم سب یکساں ہوتے ہیں کوئی حالت
اُنکو خدا تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی پس اُن پر جو مصیبت آتی ہو وہ صورت مصیبت ہوتی ہے
حقیقت مصیبت نہیں ہوتی گویا اُسکو مشاکلۃً مصیبت کہدیا جاتا ہو اسیطرح یہاں جدال بالحق
کو مشاکلۃً جدال کہدیا گیا کہ صورت ہر جدال کی ایک ہی ہوتی ہے۔مگر یہ بات بھی پہلے ہی زمانہ کے
ساتھ خاص تھی کہ جدال بالباطل کیصورت جدال بالحق کے مشابہ تھی کہ جسطرح اہل حق تہذیب
کیساتھ مناظرہ کرتے تھے اہل باطل بھی تہذیب کی رعایت کرتے تھے باقی آجکل تو جدال بالباطل
کا پہچاننا کچھ بھی مشکل نہیں۔کیونکہ آجکل مناظرہ میں خصم پر پھبتیاں اُڑانا خلاف تہذیب باتیں
استعمال کرنا خواہ مخواہ اپنی بات کی پچ کرنا ہر شخص کو معلوم ہو جاتی ہو جس سے سب سمجھ جاتے
ہیں کہ اظہار حق مقصود نہیں محض ہار اور جیت مقصود ہو آجکل تو دنیا میں شاید ہی کہیں جدال
بالحق ہوتا ہو ورنہ عموماً جدال بالباطل ہی ہوتا ہو۔اور گو یہ حالت بہت زمانہ سے ہو مگر اس زمانہ
میں پہلے سے زیادہ ترقی ہے۔امام ابو حنیفہ رح نے اپنے صاحبزادے حماد کو نصیحت فرمائی
تھی کہ علم کلام و مناظرہ میں مشغول نہو اُنہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپکو خود مناظرہ کرتے
ہوئے دیکھا ہے فرمایا ہاں ہمنے مناظرہ کیا ہے لیکن ہماری یہ حالت تھی کہ ہم یہ تمنا کرتے تھو
کہ حق بات خصم کے منہ سے نکلے اور ہم اُسکو قبول کریں اور تم کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ خصم کے
منہ سے سوائے باطل کے کچھ نہ نکلے تاکہ تم غالب رہو ہمکو یہ بات گوارا نہ تھی کہ ہمارا مسلمان بھائی
اپنی زبان سے غلط بات کہے پھر اُس کی پچ کرے یا ہم حق بات کہیں اور اُسکو ہار کر ہماری بات
ماننا پڑے جس سے ہمارا غلبہ اور اُسکا عجز ظاہر ہو یا ضد میں آکر وہ ہماری حق بات کو رد کرنے
لگے تو اُسکے ایمان کا ضرر ہو اسلئے ہم یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ خصم کے منہ سے حق بات نکلے تو ہم جلدی
سے اُسکو قبول کرلیں جس سے اُس کی عزت بھی ہو اور حق بھی واضح ہو جائے۔میں کہتا ہوں
کہ امام صاحب کے بعد کا زمانہ بھی غنیمت تھا کیونکہ اُس زمانہ کے لوگ جو یہ تمنا کرتے تھے کہ خصم
کے منہ سے باطل کے سوا کچھ نہ نکلے اور حق بات ہمارے ہی منہ سے نکلے تو اس تمنا کا منشا یہ تھا
کہ وہ لوگ اس بات کا قصد کرتے تھے کہ اگر کبھی خصم کے منہ سے حق بات نکل گئی تو ہم ضرور مان
لینگے ورنہ اگر اُنکی نیت یہ نہوتی تو اس تمنا کی اُنکو کیا ضرورت تھی کہ خصم کے منہ سے باطل ہی
نکلے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ غلط بات ہی کا رد کرنا چاہتے تھے حق بات کے رد کرنے کا وہ قصد
نہیں کرتے تھے مگر آجکل تو نہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ خصم کے منہ سے حق بات نکلے نہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ

باطل نکلے کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے یہ بات دل میں ٹھان لیتے ہیں کہ خصم کے منہ سے جو کچھ نکلے گا اُسکو رد ہی کرینگے خواہ حق ہو یا باطل ہو افسوس۔ تو یہ ایک تیسرا درجہ ہے جو پہلے زمانہ میں نہ تھا یہ آجکل پیدا ہوا ہے کہ مناظرہ میں ہر شخص یہ ٹھان لیتا ہے کہ دوسرے کے منہ سے جو کچھ نکلے اُسکو رد ہی کرنا چاہئے اگرچہ وہ حق بات ہی ہو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کانپور میں ایک مرتبہ میں نے ایک مسئلہ بیان کیا ایک طالبعلم بولے کہ نہیں یہ مسئلہ اسطرح ہے میں نے کہا کہ تم نے اسطرح کہاں دیکھا کہنے لگے ہدایہ میں لکھا ہے۔ میں نے ہدایہ اُنکے سامنے رکھدیا کہ لو اس میں نکالو اُس میں ہر چند تلاش کیا مگر وہ مسئلہ نہ تھا تو اب بجائے اسکے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کریں کہتے ہیں کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ ہدایہ ہے میں نے کہا سبحان اللہ پھر اسکی کیا دلیل ہے کہ آپ آدمی ہیں اور میرا یہ سوال پھر بھی موقع کا تھا کیونکہ آدمیت اس صورت کا نام نہیں بلکہ آدمیت نفس ناطقہ اور روح انسانی پر موقوف ہے جو ایک مخفی امر ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ایک طالبعلم کی حکایت

گر بصورت آدمی انسان بدے | احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ اُنکی صورت آدمی کی ہے لیکن روح سباع اور بہائم کی ہے ایسوں ہی کی نسبت ارشاد ہے اولٰئک کالانعام بل ھم اضل مولانا فرماتے ہیں ؎

درندے

اینکہ می بینی خلاف آدم اند | نیستند آدم غلاف آدم اند

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست | پس بہر دستے نباید داد دست

غلاف آدم پر مجھے یاد آیا کہ حیدر آباد میں محرم کے زمانہ میں بعض لوگ شیر اور ریچھ بنتے ہیں یعنی شیر اور ریچھ کی کھال پہنکر لوگوں کو ڈراتے ہیں تو کیا اس سے وہ سچ مچ شیر ہو گئے ہرگز نہیں بلکہ اُنکو غلاف شیر کہا جائے گا اسی طرح آدمی کی کھال بدن پر لگجانے سے کسی کو آدمی نہیں کہا جا سکتا آدمیت کچھ اور ہی چیز ہے دیکھئے اصلی شیر میں اور غلاف شیر میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ یہ نقلی شیر تو کتے سے بھی سب سے پہلے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور حقیقی شیر کی یہ شان ہوتی ہے ؎

حقیقی انسان و نقلی انسان میں فرق

گر جہاں پُر برف گردد سر بسر | تاب خور بگداز دش از یک نظر

واقعی اگر جنگل میں ایک شیر اگر دھاڑ دے تو سارا جنگل کانپ جائے اور یہ نقلی شیر اُس کی آواز ہی سنکر مر جائے۔ یہی فرق ہے حقیقی انسان اور نقلی انسان میں دیکھئے ابوجہل بھی کعبہ میں جاتا تھا جبکہ وہاں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے وہ تو جاکر سب بتوں کو سجدہ کرتا تھا اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم بھی ایکبار کعبہ میں داخل ہوئے تھے تو سارے بت سرنگون ہو کر آپکے قدموں میں آگرے ایک
وہ انسان تھا ایک آپ انسان تھے پس حقیقت میں ابو جہل آدمی نہ تھا بلکہ غلاف آدم تھا اسی لئے میرا
اُن طالبعلم سے یہ سوال ایک حد تک صحیح تھا کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ آپ آدمی ہیں ممکن ہے کہ آپ غلاف
آدم ہوں۔ باقی انکا سوال محض ہٹ دھرمی تھا کیونکہ ہدایہ کا ہدایہ ہونا تطابق عبارت سے معلوم
ہو سکتا تھا وہ اپنی ہدایہ لاکر اس ہدایہ کا مقابلہ کر سکتے تھے مگر صاحب ملا آن باشد کہ چپ نشود۔ ممکن ہے
کہ تطابق عبارت کی صورت میں بھی وہ یہی کہتے کہ یہ ہدایہ نہیں کیونکہ وہ دونوں کی عبارت میں بھی اعتبار کے

اعتبار کے فرق کا لطیفہ

فرق نکال سکتے تھے کہ یہ نقوش اس حیثیت سے کہ میری کتاب میں ہیں ہدایہ کے نقوش ہیں اور
اس حیثیت سے کہ دوسری کتاب میں ہیں ہدایہ کے نقوش نہیں ہیں کچھ اور ہونگے جیسا کہ ایک طالبعلم
نے اپنے بھائی کو گالی دی تھی ماں کی۔ کسی نے کہا ظالم وہ تیری بھی تو ماں ہے تو آپ نے کہا کہ صاحب
اعتبار کا فرق ہے اس حیثیت سے کہ وہ میری ماں ہے مخدومہ مکرمہ ہے اور اس حیثیت سے کہ اسکی
ماں ہے ایسی ویسی ہے تو بھائی یہ اعتبار کا فرق بڑے غضب کا ہے جسکی بابت مشہور ہے
لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ لیکن اگر وہ اعتبارات ایسے ہی اعتبارات ہیں تو
یوں کہنا چاہیے لولا الاعتبارات لبطلت الحماقۃ غرض ان طالبعلم کے اس جواب سے
سب کو معلوم ہو گیا کہ انکو محض ضد اور اپنی بات کی پچ منظور ہے آجکل عموماً یہ حالت ہے کہ محض
ایک دوسرے کی ضد میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہدیتے ہیں مثلاً دو عالموں میں مخالفت
ہے تو اب وہ مخالفت دنیوی معاملات سے گذر کر مسائل شرعیہ تک پہونچتی ہے کہ جس مسئلہ میں ایک
کا فتوے جواز کا ہوگا دوسرا اسکی ضد میں عدم جواز کا فتویٰ دیگا بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس ضد کا ؎

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر … میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

دہلی کا ایک قصہ

فـ یہیں دہلی کا قصہ ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں علماء کی دو جماعتیں تھیں ایک جماعت شیخ سدو کے
بکرے کو حلال کہتی تھی اور ایک جماعت حرام بتلاتی تھی ایکمرتبہ دونوں جماعت کے لوگوں کو ایک شخص
نے دعوت میں جمع کر لیا جب سب کے سامنے کھانا رکھدیا گیا اور وہ کھانے کو تیار ہوئے تو اسنے کہا کہ
ذرا تھوڑی دیر سب حضرات توقف فرمائیں مجھے کچھ کہنا ہے سب نے ہاتھ روک لیا تو اسنے کہا کہ یہ جو
گوشت آپکے سامنے رکھا ہوا ہے یہ شیخ سدو کے بکرے کا ہے اب جسکا جی چاہے کھائے جسکا
جی چاہے نہ کھائے بس جو لوگ اسکو حرام سمجھتے تھے انہوں نے تو ہاتھ کھینچ ہی لیا تماشا یہ کہ جو
لوگ اسکو حلال کہتے تھے انہوں نے بھی ہاتھ روک لیا۔ داعی نے انسے کہا کہ صاحب یہ حضرات

اگر ہاتھ روکیں تو انکو حق ہے کیونکہ یہ اسکو حرام سمجھتے ہیں مگر آپنے کیوں ہاتھ روکا آپکے نزدیک تو یہ حلال ہے اسوقت وہ کہنے لگے کہ بھائی حق بات تو یہی ہے کہ یہ حرام ہے مگر ہم تو محض ان کی ضد میں اسکو حلال کہتے ہیں۔ سو دیکھئے یہ ضد ایسی بری بلا ہے کہ اس میں انسان کیا کچھ کر گذرتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ آجکل کے اختلاف کرنیوالوں سے پھر بہت غنیمت تھے کہ انہوں نے حرام کو صرف زبان ہی سے حلال کیا پیٹ کے اندر اسکو داخل نہیں کیا گویا انہوں نے زبان سے نکالا اندر داخل نہیں کیا نیز موقع پر اپنی غلطی کا اقرار بھی کر لیا کہ ہم جو کچھ کہتے تھے محض ضد میں کہتے تھے اور آجکل اگر کوئی مولوی کسی کی ضد میں حرام کو حلال کہتا ہو اور اسکو ایسا موقعہ پیش آجائے جیسا ان صاحب کو پیش آیا تھا تو آجکل کے ضدی مولوی کبھی اسکا اقرار نہ کرینگے کہ ہم محض ضد میں اسکو حلال کہتے تھے اور واقع میں حق یہی ہے کہ حرام ہے اور یقیناً سب کے سامنے اپنی بات کی لاج رکھنے کو طوعاً و کرھاً اسکو کھا بھی جائینگے گو دل نہ مانتا ہو اندر سے جی متلاتا ہو طبیعت اسکو پھینکنا چاہتی ہو مگر یہ اپنی بات کے پکے بری بھلی طرح اسکو ضرور نگل ہی جائینگے الغرض امام صاحب کے صاحبزادے کو صورت یکساں ہونیکی وجہ سے شبہ ہو گیا کیونکہ جدال بالحق و جدال بالباطل دونوں کی صورت یکساں ہی تھی اور جسطرح جدال کا اطلاق جدال بالحق پر بھی ہو جاتا ہے اسیطرح مراء کا اطلاق بھی مراء بالحق پر کبھی ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے ولا تمار فیہم الا مراءً ظاھراً اسمیں مراء بالحق ہی مراد ہے کیونکہ مراء بالباطل کی اجازت کسی درجہ میں نہیں ہو سکتی اور اس آیت میں مراء ظاہر کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگئی ہے تو اسکو صورۃً مراء کہدیا گیا بوجہ مشاکلۃ کے ورنہ حقیقی مراء حرام ہے حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے چنانچہ ارشاد ہے من تعلم العلم لیماری بہ السفہاء الی آخرہ مجھے حدیث کے الفاظ بعینہ کم یاد رہتے ہیں اسیطرح حوالہ بھی یاد نہیں رہا کرتا کہ یہ کس کتاب کی حدیث ہے سو اہل علم اسکی تحقیق کر لیں مجھے

مراء کی وضاحت

ـہ قلت وفی الترغیب والترھیب للمنذری ص ۲۹ و ۳۰ من الصغور روی عن کعب بن مالک قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفہاء ویصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار۔ رواہ الترمذی واللفظ لہ و ابن ابی الدنیا فی کتاب الصمت وغیرہ والحاکم شاھداً والبیہقی وقال الترمذی حدیث غریب وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعلموا العلم لتباھوا بہ العلماء ولا تماروا بہ السفہاء ولا تخیروا بہ المجالس فمن فعل ذلک فالنار النار رواہ ابن ماجہ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

حدیث کا مضمون یاد ہی جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص علم کو اسلئے حاصل کرے تاکہ اُسکے ذریعہ سے علماء کا مقابلہ
کرے اور جاہلوں سے جھگڑا کرے اور لوگوں کا رخ اپنی طرف پھیرے خدا تعالیٰ اُسکو جہنم میں داخل کریں گے
تو دیکھیے مراء پر کسقدر شدید وعید ہے مگر افسوس کہ آجکل تحصیل علم سے زیادہ غرض وہی ہوتی ہے جس سے
حدیث میں ممانعت وارد ہو رہی ہی بلکہ آجکل تو عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کی تحصیل علم سے کوئی

آجکل تحصیل علم سے کوئی بھی غرض نہیں ہوتی

بھی غرض نہیں ہوتی نہ حسن نہ مذموم اب تک تو ہم یہ سنا کرتے تھے کہ افعال اختیاریہ بدون تصور غایت
و غرض کے موجود نہیں ہو سکتے مگر آجکل کے طلبہ کی حالت دیکھکر اس مسئلہ میں ہمکو شبہ ہو گیا اور جن
کی کچھ غرض ہوتی بھی ہی تو ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کی غرض محض رضاء الٰہی ہو بلکہ اکثر کو تو جاہ

تحصیل علم سے رضاء الٰہی کا قصد بہت کم ہی اکثر جاہ و مال مطلوب ہی

مطلوب ہوتی ہی کیونکہ بہت لوگ علم دین پڑھتے ہیں مگر اپنی اصلاح نہیں کرتے اگر رضاء الٰہی انکو مطلوب
ہوتی تو عمل کا اہتمام ضرور ہوتا بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت لوگوں کا مشغلہ تحصیل علم کے بعد جھگڑنا ہی
رہجاتا ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ مراء و جدال ہی کیواسطے علم حاصل کرتے تھے بس آجکل اسی
میں فخر و ناموری سمجھتے ہیں کہ اس سے بحث کر لی اُس سے جھگڑ لئے کچھ جاہل انکی طرف ہو گئے
پھر علاوہ ناموری کے اس صورت میں آمدنی بھی زیادہ ہوتی ہے اور جب ان دونوں جھگڑنیوالوں
میں فیصلہ نہیں ہوتا تو علماء محققین کے پاس سوالات جاتے ہیں اور خواہ مخواہ اُن کو بھی اس جھگڑے
میں پھانسا جاتا ہے اگر کوئی اللہ کا بندہ اس سے احتیاط کرے اور جھگڑے سے بچنا چاہے تو اُسکے
پاس سے ٹلتے نہیں اُسکے سر ہو جاتے ہیں چنانچہ لکھنؤ میں مفتی سعد اللہ صاحب و مولوی سراج الدین

لکھنؤ میں اختلاف علما کا قصہ

صاحب میں لفظ اختیر کی بابت اختلاف ہوا کہ فصیح اِختیر (بکسر الہمزہ) ہی یا اُختیر (بضم الہمزہ) ایک کسرہ
کو فصیح کہتے تھے ایک ضمہ کو مگر فیصلہ نہوتا تھا بھلا کوئی اُنسے پوچھے کہ اس اختلاف میں پڑنے سے
تمکو کتنی رکعتوں کا ثواب ملا ایک فضول بحث میں وقت ضائع کیا اور فریقین نے دوسرے
علماء سے استفتے کئے مولوی سراج الدین صاحب نے جو کہ بہت ہی ذکی ہیں مفتی محمد یوسف صاحب
کی خدمت میں بھی سوال بھیجا انہوں نے یہ لکھکر واپس کر دیا کہ یہ کوئی دین کا مسئلہ نہیں جس کا
جواب دیا جائے فضول بحث ہے تو مولوی سراج احمد صاحب بولے کہ اسکو دین بنانا کیا
مشکل ہے آپ نے فوراً ایک صورت اپنے ذہن سے گھڑی اور اس طرح استفتاء لکھا کہ کیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی کلہم من روایۃ یحییٰ بن ایوب
انعا فقی عن ابن جریج عن ابی الزبیر عنہ و یحییٰ ھذا ثقۃ احتج بہ الشیخان
وغیرہما ولا یلتفت الی من تکلم فیہ الخ واللہ اعلم ١٢ جامع

فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ اگر آج صبح سے شام تک تونے کوئی لفظ غیر فصیح بولا تو تجھپر تین طلاق - اُس عورت نے لفظ اختیر بولا تو اُسپر طلاق ہوئی یا نہیں پھر یہ استفتا مفتی صاحب کے پاس بھیجا گیا وہ بیچارے یہ سوال دیکھکر مجبور ہو گئے اور انکو اپنی تحقیق لکھنی پڑی - یہ بھی اسلئے کہ شاید مفتی صاحب اس سوال سے پریشان ہو گئے ورنہ آزاد محقق اُسکا بھی جواب دیسکتا تھا وہ یہ کہتا کہ میں صاحب واقعہ کو جوابدونگا تمکو جواب نہ دونگا یا یہ کہتا کہ جوابدینا فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں جاؤ میں تمکو جواب نہ دونگا کسی اور سے پوچھو مگر ایسے جواب کیلئے کسی قدر ہمت کی ضرورت ہے کیونکہ ایسے جواب دینے والے کو لوگ جاہل اور بدمزاج کج اخلاق مشہور کرینگے توجس میں اتنی ہمت ہو کہ اگر کوئی اُسکو جاہل وغیرہ کہدے تو برا نمانے وہ شخص ایسا جواب دیسکتا ہے مگر ایسی ہمت والے کم ہیں خصوص آجکل تو یہ حالت ہے کہ علما سوال کرنیوالوں سے ڈرتے ہیں اُنکو بیہودہ سوال سے روک نہیں سکتے کہ اگر روکیں گے تو یہ ہمکو بدنام کرینگے یا مدرسہ کا چندہ بند کر دینگے اسلئے ہر سوال کا جوابدیتے ہیں حالانکہ بعض لوگ محض تعنت کی راہ سے سوال کرتے ہیں اُنکا مقصود حق بات کا معلوم کرنا نہیں ہوتا بلکہ مجیب کو پریشان کرنا ہوتا ہے ایسے شخص کو تو جوابدینا شاید جائز بھی نہو کیونکہ ایسا سوال گناہ ہے اور مجیب اسکی اعانت فی السوال کر رہا ہے کیونکہ اسکے جوابدینے سے سائل کو آئندہ کیلئے سوال کی جرأت بڑھتی ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ بھیک مانگنے والے جنکو بھیک مانگنا حرام ہو اُنکو دینا بھی حرام ہے کیونکہ اُنکو سوال کرنا ہی حرام ہے اور دینے سے سوال کی اعانت ہوتی ہے اور اعانتِ معصیت بھی داخل معصیت ہے لہذا ایسے شخص کو ہرگز جواب نہ دینا چاہئے اگر وہ یہ کہے کہ تمکو جواب معلوم ہی نہیں تو کہدو اچھا ہم تو جاہل ہیں پھر تم ہمسے کیوں سوال کرتے ہو اور اگر کوئی یہ کہے کہ تم کو تو جواب معلوم ہے پھر کیوں نہیں بیان کر دیتے اُس سے کہدو کہ ہاں معلوم ہے مگر تجھکو نہ بتلاونگے ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی
بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

غضب تو یہ ہے کہ آجکل ہر سوال کے جواب دینے کی کوشش کیجاتی ہے گو جواب معلوم بھی نہو تو گھڑ گھڑ کر جواب لکھتے ہیں محض اسلئے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں شخص کو اس سوال کا جواب معلوم نہیں استغفر اللہ العظیم حالانکہ کسی بات کا جواب معلوم نہونا کوئی عیب نہیں کیونکہ علم محیط تو حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا - بڑے بڑے عالم بلکہ امام اور مجتہد کو بھی کہیں نہ کہیں لا ادری کہنا پڑتا ہے کسی امام کی (یعنی مالک رحمہ اللہ) کی حکایت ہے کہ اُنسے

آزاد محقق کا جواب فرض عین ہوتا

سائل متعنت کو جواب دینا جائز نہیں

کسی سوال کا جواب معلوم نہونا عیب نہیں

ایک مجلس میں چالیس سوالات کئے گئے تو انہوں نے صرف چار کا جواب دیا باقی سب کی نسبت یہی فرماتے رہے لا ادری لا ادری یعنے مجھے معلوم نہیں ۔ پس نہ معلوم ہونیکی صورت میں خواہ مخواہ درپے جواب کے ہونا تو مذموم ہے ہی میرے نزدیک تو اگر جواب معلوم بھی ہو تو متعنت کے سامنے بیان نہ کرے اُس سے تو انکار ہی کر دے اور یوں کہدے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

مجیب کو سائل کا تابع نہ ہونا چاہئے

الغرض جواب دینے والے کو سائل کا تابع نہونا چاہیئے بلکہ سائل کو اپنا تابع بنانا چاہیئے اور اگر وہ تابع نہ رہے تو اُس کو جواب ہی نہ دے پس اگر یہ معلوم ہو کہ سائل منصف ہے اور طالب حق ہے اُسکو ضرور جواب دے بلکہ اپنے کاموں کا حرج کر کے بھی اُسکو جواب دینا چاہیئے اور اگر متعنت ہے اُسکو ہرگز جواب نہ دے ۔ ایسے شخص کو جواب دینے کو طبیعت بھی نہیں چاہتی اور منصف کو جواب دینے کیلئے طبیعت میں خود بخود تقاضا ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ اُسکے سامنے حقیقت واضح کر دیجائے مولانا عبدالقیوم صاحب رحمہ کی عادت تھی کہ فضول سوال کا جواب نہیں دیا کرتے تھے

محققین نے ہمیشہ وقت کو ضائع کرنے سے احتراز کیا ہے

اور محققین نے ہمیشہ اسکا لحاظ کیا ہے کہ وقت کو فضول ضائع نہ کیا جائے اول تو آپکی یہ عادت تھی کہ جب کوئی شخص کوئی مسئلہ اُنسے پوچھتا تو اپنی طرف سے فتوے کبھی نہ دیتے تھے بلکہ کتاب کا نام لیکر فرمایا کرتے کہ درمختار ۔ یا ہدایہ وغیرہ میں یوں لکھا ہے یہ تو آپکی غایت احتیاط کا نمونہ ہے اور اگر کوئی شخص فقہی مسئلہ معلوم کرنیکے بعد یہ سوال کرتا کہ یہ مسئلہ کسی حدیث میں بھی ہے یا نہیں تو آپ فرما دیتے کہ میں نو مسلم نہیں ہوں خدا کا شکر ہے کہ میرے آبا و اجداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمان چلے آرہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اُسکو اُن حضرات نے یاد رکھا جو اُس زمانہ میں موجود تھے پھر جو کچھ اُنکو کرتے ہوئے دیکھا اُس پر اُنکی اولاد نے عمل کیا ۔ اسیطرح سلسلہ بسلسلہ دین مجھ تک پہونچا ہے اسلئے مجھے حدیث کی ضرورت نہیں حدیث کی احتیاج صرف نو مسلم لوگوں کو ہے جن کے آبا و اجداد نے اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا ۔ اُنکو حضور کا عمل اپنے باپ دادوں کے ذریعہ سے معلوم نہیں ہوا اسلئے احادیث کے ذریعہ سے معلوم کرنیکی اُنکو ضرورت ہے

مولانا عبدالقیوم صاحب کی حکایت

مولانا عبدالقیوم صاحب کے اس جواب کا منشا صرف یہ ہوتا تھا کہ وہ سائل کو یہ بتلانا چاہتے تھے کہ تیرا یہ سوال فضول ہے کیونکہ اگر ہمنے تجھے یہ بتلا بھی دیا کہ فلاں حدیث اس مسئلہ کی دلیل ہے تو تجھکو وجہ دلالت کیونکر معلوم ہو گی اب اگر ہم وجہ دلالت بھی بیان کریں تو اسکا مطلب

یہ ہے کہ سارے مقدمات اور مبادی تمکو اسیوقت پڑھا دیں اور اگر وجہ دلالت میں تم ہماری تقلید کرو گے کہ چونکہ مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس مسئلہ پر دلالت کرتی ہے اسلئے مانتا ہوں تو پھر تم پہلے ہی سے ہماری تقلید کیوں نہیں کرتے کہ یہ مسئلہ شریعت میں اسیطرح ہے جس طرح مولوی صاحب نے بتلایا ہاں جو شخص وجہ دلالت کو سمجھ سکتا ہو یعنی طالب علم ہو جو مقدمات اور علوم مبادی سے واقف ہو چکا ہو اُسکو اس سوال کا حق ہے اُسکے سامنے دلائل حدیثیہ بیان کرنیکو جی بھی چاہتا ہے۔ باقی جاہلوں کے سامنے یہ علوم بیان کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی تمکو تنگ کرے اور کسی مسئلہ کی تحقیق و تدقیق کرنی چاہے تو سب رطب و یابس شبہات و جواب اُسکے سامنے رکھدو اور کہدو کہ انمیں سے تم خود انتخاب کرلو۔ مجھے انتخاب اور ترجیح کی فرصت نہیں مجھے اور بھی کام کرنا ہے جس کے واسطے میں پیدا ہوا ہوں حضرت حاجی صاحب نے اسکی ایک مثال بھی ارشاد فرمائی کہ ایک شخص نے جسکے کچھ بال سفید کچھ سیاہ تھے حجام سے کہا کہ میری داڑھی میں سے سفید سفید بال چھانٹ دے اُسنے استرہ لیکر سارے بال مونڈ اور سب کو سامنے رکھکر کہا کہ اس میں سے سفید سفید چھانٹ لیجئے مجھے فرصت نہیں۔ لیکن حضرت حاجی صاحب کے ارشاد پر عمل کرنا اُسی شخص کو آسان ہے جو ننگ و ناموس کو آگ لگا چکا ہو کیونکہ ایسے جواب سے مجیب کی وقعت نہیں ہوتی لوگ اُسکو جاہل یا بد مزاج مشہور کر دیتے ہیں اسی لئے آجکل ایسے جواب بہت کم لوگ دیتے ہیں اکثر تو جھک جھک میں مشغول ہی ہو جاتے ہیں سلف کو اسکا بہت اہتمام تھا کہ فضول وقت ضائع نکیا جائے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ سے ایک معقولی صاحب آکر لپٹ گئے کہ میں آپسے مناظرہ کرونگا مولانا نے فرمایا کہ مناظرہ سے دو مقصود ہوتے ہیں ایک اظہار حق یہ تو آجکل مقصود ہے دوسرے بڑا بننا اور اپنی شان علم جتلانا آجکل زیادہ تر یہی مقصود ہوتا ہے تو اسکے لئے آپکو مناظرہ کی ضرورت نہیں فضول کیوں مشقت میں پڑتے ہیں با آواز بلند کہے دیتا ہوں کہ صاحبو! آپ مجھسے زیادہ عالم ہیں میں جاہل ہوں مجھے کچھ نہیں آتا بس آپکا مقصود حاصل ہو گیا چنانچہ مولانا نے باآواز بلند یہ مضمون فرما دیا اور وہ معقولی اپنا سا منہ لیکر رہگئے سبحان اللہ! یہ حضرات کیسے بے نفس تھے اپنے آپکو بالکل مٹائے ہوئے تھے حضرت استاذ علیہ الرحمہ (مولانا محمد یعقوب صاحب) کی عادت تھی کہ درس میں اگر کسی طالب علم نے آپ کی تقریر پر اعتراض کیا اور آپکو معلوم ہو گیا کہ مجھسے تقریر میں غلطی ہوئی ہے

حاجی صاحب کا ارشاد

حضرت مولانا قاسم العلوم کی حکایت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی عادت شریفہ

تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیتے تھے پھر ایکدفعہ نہیں بلکہ تھوڑی دیر کے بعد بار بار فرماتے کہ واقعی مجھسے غلطی ہوئی یہاتنک کہ اعتراض کرنیوالا شرما جاتا تھا اور بعض دفعہ جب کسی مضمون میں پڑھاتے ہوئے شرح صدر نہوتا تو صاف فرمادیتے کہ مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا پھر اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ عین درس میں طلبہ کے سامنے کتاب اُٹھا کر اپنے ماتحت مدرسین میں سے کسی کے پاس پہونچ جاتے اور بے تکلف فرمادیتے کہ مولانا مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا ذرا آپ اس کی تقریر فرمادیجئے اُنہوں نے تقریر کردی تو پھر اپنے حلقۂ درس میں اُنہی صاحب کا نام لیکر فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے حقیقت میں ایسا بے نفس ہونا بڑا مشکل ہے آجکل لوگ اسکو ذلت سمجھتے ہیں مگر واللہ عزت تواضع ہی میں ہے چنانچہ حدیث میں ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ آخر ان حضرات نے جو ایسی بے نفسی اختیار کر رکھی تھی کیا اس سے اُنکی جاہ و عزت میں کچھ کمی آگئی بخدا پہلے سے زیادہ عزت ہوگئی کہ آج اُنکی یہ باتیں کمالات اور کرامات میں شمار ہو رہی ہیں۔ لیکن طلبہ کیساتھ یہ برتاؤ اُسی وقت تک ہونا چاہئے جبکہ سوال صحیح ہو اور اگر بیڈھنگا سوال ہو جس کے طرز سے یہ معلوم ہو جائے کہ اسکا منشا محض اعتراض اور پریشان کرنا ہے تو اول اُسکو حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کیطرح الزامی جواب سے خاموش کردو مولانا کو الزامی جواب میں بہت ملکہ تھا مگر وہ ایسوں ہی کے واسطے ہوتا تھا جنکا مقصود محض اعتراض ہوتا اور جو لوگ تحقیق کے طالب معلوم ہوتی اُنکے سامنے تحقیقی جوابات بھی خوب بیان فرماتے تھے مولانا میں ظرافت بھی بہت تھی جب طالب علم الزامی جواب سے ساکت ہو جاتا تو فرمادیا کرتے تھے کہ تالاب پاس ہے (یعنی اسمیں جا کر ڈوب مرو) اور اگر کوئی شخص اس سے بھی باز نہ آوے تو اُسکو جواب ہی ندو ؎

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی　　　آنست جوابش کہ جوابش ندہی

اور اگر اسپر بھی متنبہ نہو اور جواب کا تقاضا ہی کرتا رہے تو اُسکو حلقۂ درس سے نکالدو۔ کیونکہ جس شخص کو اپنی بات کی پچ کرنیکا مرض ہو وہ ہرگز پڑھانیکے قابل نہیں اگر اُسکے اس مرض کا علاج نکیا گیا اور اسی طرح سر آنکھوں پر بٹھالیا گیا تو اُسمیں ہمیشہ کے لئے یہ عادت پختہ ہو جائیگی کہ جو بات اُسکے منہ سے نکلے گی اُسکی پچ کیا کریگا حق و ناحق کی ذرا پروا نکریگا۔ اور اسکا دین پر جو برا اثر پڑے گا وہ ظاہر ہے ؎

بدگہر را علم و فن آموختن　　　دادن تیغ است دست راہزن

عزت تواضع ہی میں ہے

حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی عادت

[illegible]

کلکتہ میں ایک عالم نے مسئلۂ رضاع غلط لکھا اور علماء کے پاس اُسکو دستخط کے واسطے بھیجا علماء نے بالاتفاق اُسپر دستخط سے انکار کیا کہ یہ تو بالکل غلط مسئلہ ہے۔ کسی نے اُنکا ساتھ ندیا آخر میں اُنکو اپنی غلطی کا علم بھی ہوگیا تھا مگر بات کی پیچ بڑی بلا ہے اُنہوں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھ مارا اور اُسمیں واہی تباہی دلائل سے اپنے مطلب کو ثابت کرنا چاہا پھر وہ اپنے استاد کے پاس اُس فتوے کو لیگئے اور اُنسے جاکر کہا کہ اس مسئلہ میں سب لوگ مجھسے علیحدہ ہیں کوئی میری ساتھ نہیں آپ ہی میرا ساتھ دیدیجئے اُنہوں نے کہا کہ بھائی یہ تو غلط مسئلہ ہے اس میں ساتھ کیونکر دوں کہنے لگے کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ غلط ہے مگر اب تو زبان و قلم سے نکل گیا اب تو جس طرح ہو میری تائید کردیجئے مگر اُستاد نے ساتھ نہیں دیا۔ افسوس دین کو کھیل بنا رکھا ہے کہ محض اسوجہ سے کہ ایک بات زبان سے نکل گئی ہے اُسکی لکیر پیٹے جاتے ہیں حالانکہ اُسکا غلط ہونا معلوم ہے نمعلوم ان لوگوں کے دلوں سے خوف خدا کہاں جاتا رہا اب سنا ہے کہ اُن عالم مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا خدا معاف کرے اگرچہ جرم بہت سنگین ہے۔ میں تمام مدرسین و مہتممین مدارس سے بالتجا عرض کرتا ہوں کہ للہ اس بات کا کچھ انتظام کیجئے کہ سب طلبہ کو ایک لاٹھی نہ ہانکا جائے اور سب کی تعلیم کو ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ جس شخص کے اخلاق خراب ہوں اول اُسکے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے بات بات پر اُسکو ٹوکا جائے اگر اصلاح کی امید نہو تو مدرسہ سے علیحدہ کیا جائے اسیطرح جس طالب علم کی طبیعت میں کجی معلوم ہو سلامتی سے محروم ہو اُسکو بھی ہرگز پورا نصاب نہ پڑھایا جائے کیونکہ تکمیل نصاب کے بعد وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اُسکو عالم و مقتدا سمجھینگے اور ایسا شخص مقتدا ہوکر جو کچھ ستم ڈھائیگا ظاہر ہے پھر اُن سب کا وبال ان مدرسین و مہتممین کے اوپر ہوگا کہ انہوں نے ایسے نا اہلوں کو کیوں علم پڑھایا میری رائے میں ایسے لوگوں کے لئے ایک مختصر نصاب اردو میں یا فارسی میں یا کسی قدر عربی میں مقرر کرلیا جائے جو ضروری مسائل و احکام کے جاننے کیلئے کافی ہو وہ نصاب پڑھا کر اُنسے کہدیا جائے کہ جاؤ دنیا کا کوئی کام سیکھو اور کماؤ کھاؤ مجھے حیرت ہے کہ بعض مدارس میں ایک ہزار بعض میں پانچسو بعض میں سو دو سو طلبہ تعلیم پاتے ہیں کیا یہ لوگ سب کے سب مقتدا بننے کے اہل ہیں یقیناً نہیں اور ہرگز نہیں پھر اہل مدارس سب کو مقتدا کیوں بنانا چاہتے ہیں بجز اسکے مسلمانوں پر زیادہ تباہی ان نا اہل مولویوں کی وجہ سے بھی آئی ہے کہ ان لوگوں نے دین کو کھیل بنالیا ہے جیسا موقع دیکھا ویسا فتویٰ

علمائے کلکتہ کی بے ضمیری کی حکایت

مدرسین و مہتممین کی خدمت میں عرض

نا اہل مولویوں نے دین کو کھیل بنا لیا

دیدیتے ہیں حتی کہ عوام کہنے لگے کہ بس جی دین تو مولویوں کے ہاتھ میں ہے جس چیز کو چاہیں حلال کردیں اور جسکو چاہیں حرام اس بدگمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب انہوں نے علماء سے دریافت کرنا ہی چھوڑ دیا جسکی جو جی میں آیا کرلیا خواہ حلال ہو یا حرام پھر اس صورت میں قہر خداوندی نازل ہوتا ہی تھا اسلئے میں پھر کہتا ہوں کہ اہل مدارس کو طلبہ کا انتخاب کرنا چاہئے اور انہیں جو اہل نظر آئیں انہی کو پوری تعلیم اور انہی کو سند فراغ دینی چاہئے مگر اب تو بلا یہ ہے کہ لوگوں کو انتساب کا شوق ہے کہ ہمارے یہاں سے اس سال اتنے آدمی فارغ ہوئے۔ اے صاحبو! طلبہ کا فارغ کرنا بہت عمدہ ہے مگر وہ پہلے اہل تو ہوں واللہ کسقدر افسوس ہوتا ہے جب بعض فارغین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ قرآن کی اعراب بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے حالانکہ اُسپر اعراب لگے ہوئے ہیں وہ انکو دیکھکر بھی غلطی کرتے ہیں اور کتابوں کی اعراب تو وہ کیا خاک صحیح پڑھینگے بھلا ایسے نااہلوں کو فارغ کرنیسے کیا خوشی ہو سکتی ہے بجز اسکے کہ اپنے ذمہ خیانت کا وبال رہے اور کچھ نفع نہیں صاحبو! مجھکو سخت اندیشہ ہے کہ علماء سے خصوصاً اہل مدارس سے کہیں اسکی بازپرس خدا تعالیٰ کے یہاں نہو اس کی اصلاح کی جلد فکر کیجئے یہ مضمون بہت طویل ہوگیا میں یہ بیان کر رہا تھا کہ طلبہ کے فضول سوالات کا جواب نہ دینا چاہئے کیونکہ بعض طلبہ محض تنگ ہی کرنا چاہتے ہیں حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے یہاں ایک شخص پڑھتے تھے اُنکی عادت اعتراض کرنیکی بہت تھی مگر ہمیشہ ایک دعویٰ کردیا کرتے تھے کہ یہ بات تو یوں نہیں یوں ہے اور جب مولانا دلیل پوچھتے تو آپ کہتے کہ کیا سارا کام میں ہی کروں دعوے میں نے کردیا دلیل آپ بیان کردیجئے سبحان اللہ کیا خوبصورت دعویٰ تھا جسکی دلیل مدعی اپنے ذمہ نہیں سمجھتے تھے غرض آجکل جدال بالباطل کا بہت چرچہ ہے علماء وطلبہ میں سے کوئی بھی اس مرض سے خالی نہیں (الا من عصم اللہ) یہ آیت جو میں نے اسوقت پڑھی ہے قابل سبق لینے کے ہے اسمیں حق تعالیٰ نے جدال بالباطل کی مذمت عجیب طرز سے بیان فرمائی ہے جس سے علم کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ومن الناس من یجادل فی اللہ یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو مجادلہ کرتے ہیں اللہ کے بارے میں یعنی خدا کی ذات وصفات واحکام میں جن میں توحید اعلیٰ فرد ہے اور بقیہ احکام اُسکے بعد ہیں سب میں جدال کرنا جدال فی اللہ ہے گو درجات متفاوت ہیں اور جدال تو خود ہی مذموم ہے پھر جدال فی اللہ تو سب سے زیادہ مذموم ہے آگے فرماتے ہیں بغیر علم ولا ھدی ولا کتٰب منیر یعنی مجادلہ کرتے ہیں ذات وصفات واحکام الٰہی میں بدون علم کے اور بدون ہدایت کے اور بدون روشن کتاب

کے اب یہاں یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ یہ قیود احترازیہ نہیں ہیں کیونکہ جدال فی اللہ کی جو کہ مذموم ہی ہوگا دو قسمیں نہیں ہوسکتیں کہ ایک وہ جو علم وہدایت اور کتاب کیساتھ ہو دوسرے وہ جو اسکے بغیر ہو بلکہ جدال بالباطل جب ہوگا ان تینوں کے بغیر ہی ہوگا معلوم ہوا کہ یہ قیود واقعیہ ہیں مطلب یہ ہوا کہ جدال فی اللہ یعنی جدال بالباطل کا سبب علم وہدایت وکتاب منیر کا حاصل نہونا ہے پھر اسکی ساتھ ایک بات اس جگہ یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ علم سے مراد جس میں ہدایت وکتاب منیر بھی داخل ہے مطلق علم نہیں کیونکہ جدال بالباطل کیساتھ مطلق علم کا اجتماع تو ممکن اور مشاہد ہے بلکہ یہاں وہ علم مراد ہونا چاہیئے جو کہ جدال بالباطل کیساتھ جمع نہو سکے بس یہاں علم سے خاص علم یعنے علم صحیح ونافع مراد ہے۔ اب یہانسے علم کی فضیلت معلوم ہوئی کہ علم صحیح ونافع کیسی قدر کی چیز ہے کہ جدال بالباطل اسکی ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اور جو شخص علم صحیح ونافع سے محروم ہے وہ جدال بالباطل جدال فی اللہ میں جو کہ جدال بالباطل کا اعلیٰ فرد ہے پھنس جاتا ہے اور جدال بالباطل کا مذموم ہونا سب کو مسلم ہے تو جس چیز پر اس سے بچنا موقوف ہے اسکی ضرورت کا انکار نہیں ہوسکتا لہذا یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ علم نافع وعلم صحیح کی سخت ضرورت ہے اور یہانسے ایک بات اور بھی معلوم ہوگئی کہ جب جدال بالباطل علم صحیح کیساتھ جمع نہیں ہوسکتا تو جو لوگ باوجود علم صحیح وہدایت وکتاب منیر کے حاصل کرنیکے پھر جدال بالباطل میں مبتلا ہیں یا تو انہوں نے ان تینوں کو سمجھکر حاصل نہیں کیا یا اگر سمجھکر حاصل کیا ہے تو جدال کے وقت جان بوجھکر انسے اعراض کرلیا ہے ورنہ اگر وہ ہر وقت ان تینوں پر نظر رکھتے اور پوری طرح عمل کرتے اور کسی وقت کسی مسئلہ میں انسے اعراض نکرتے تو وہ ہرگز جدال بالباطل میں مبتلا نہوتے

علم نافع کی فضیلت وضرورت

خوب سمجھ لو جب علم کی ضرورت معلوم ہوگئی تو اب میرا مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو علم نافع حاصل کرنا چاہیئے اور اسکی طرف پوری توجہ کرنا چاہیئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو نماز روزہ کیطرف تو توجہ ہے مگر علم نافع کیطرف توجہ نہیں اگر کوئی نماز نہ پڑھے روزہ نہ رکھے زکوٰۃ نہ دے حج نہ کرے تو سب لوگ اسکو برا بھلا کہنے لگتے ہیں اور اگر کوئی شخص علم دین بالکل حاصل نہ کرے تو اسکو برا کوئی نہیں کہتا حالانکہ بقدر ضرورت علم حاصل کرنا ہر شخص کے ذمہ ویسا ہی فرض عین ہے جیسا کہ نماز روزہ وغیرہ میرا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ مولوی بن جاویں اور میرا یہ مطلب ہو کیونکر سکتا ہے میں تو ابھی اہل مدارس کو مشورہ دے چکا ہوں کہ وہ سب طلبہ کو مولوی نہ بنایا کریں تو جب میں سب طلبہ کا مولوی ہونا پسند نہیں کرتا تو عوام کا مولوی ہونا میں کیوں چاہونگا پس آپ اس سے

علم نافع کیطرف توجہ نہونے کی شکایت

نہ گھبرائیں کہ آپکو مولوی بننا پڑیگا بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ مسائل و احکام شرعیہ کا علم بقدر ضرورت اردو زبان
ہی میں حاصل کر لیا جائے اور بچوں کو اہتمام کیساتھ مکتب میں قرآن اور دینی رسائل پڑھنے کے لئے
بھیجا جائے جب وہ بقدر ضرورت مسائل سے واقف ہوجائیں پھر تمھیں اختیار ہے جس کام میں
چاہو لگاؤ اور جو روساء کے بچے ہیں جنکو خدا نے مالی وسعت عطا فرمائی ہے انکو چاہیے کہ علم دین
کی پوری تعلیم دیجائے کیونکہ انکو معاش کی فکر سے خدا نے بچایا ہے تو اُس کا شکر اس طرح ادا کرنا چاہیے
کہ یہ لوگ دین کی خدمت کریں اور اگر پوری تعلیم نہ دی جائے تو کم از کم قرآن اور اردو کے ضروری دینی
رسائل تو انکو ضرور پڑھا دئے جائیں تاکہ وہ اپنے مذہب سے تو کسیقدر واقف ہوجائیں اور جو لوگ اردو
بھی نہ پڑھ سکیں جیسے گاؤں کے کاشتکار وغیرہ انکو چاہیے کہ علماء سے ملتے رہیں اور مسئلے پوچھتے
رہیں اگر وہ روزانہ ایک مسئلہ بھی یاد کر لیا کریں تو سال بھر میں تین سو ساٹھ مسئلے یاد ہو سکتے ہیں رہ گئی
عورتیں انکو مرد تعلیم دیا کریں اور جو مرد پڑھے لکھے نہوں وہ عورتوں سے کہدیا کریں کہ تمکو جو مسئلہ پوچھنا
توسیع علم کی بہتر ترکیب
ہو ہمسے کہدیا کرو ہم علماء سے پوچھکر تمکو بتادینگے لیجئے اس ترکیب سے ساری امت بقدر ضرورت علم
سے فیضیاب ہو سکتی ہے اور جو لوگ اردو پڑھ بھی سکتے ہیں انکو بھی علماء سے ملتے ملانے اور سوال
کرنیکا عادی رہنا چاہیے کیونکہ بعضی بات کتاب سے حل نہیں ہوتی علماء سے زبانی دریافت
کرکے اُسکی حقیقت حل ہوجاتی ہے اور دین کیساتھ تعلق و مناسبت تو بدون صحبت کے حاصل
علم کی ضرورت کی دوسری وجہ
ہوتا ہی نہیں۔ صاحبو! آجکل علم کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اول تو مخالفین اسلام جاہل مسلمانو
کو طرح طرح سے بہکاتے پھرتے ہیں پھر خود مسلمانوں میں بعضے فرقے ایسے موجود ہیں جو ظاہر
میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر واقع میں وہ اسلام سے دور ہیں اور بعضے گو مسلمان ہیں
مگر گمراہ ہیں تو بعضے جاہل مسلمان ان گمراہ لوگوں کی باتوں کو اسلام کی باتیں سمجھنے لگتے ہیں اور
دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر جو جماعت اہل حق کی کہلاتی ہے انمیں بھی بعضے ایسے ہیں جنہوں
جماعت اہل حق میں بھی بعض نے اغراض کو قبلہ بنا رکھا ہے
نے دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے کہ جس کام کیساتھ انکی دنیوی غرض متعلق ہوئی
اُسکو انھوں نے دین کا لباس پہنا کر عوام کے سامنے ظاہر کر دیا اور جس چیز کی ممانعت سے
انکی اغراض میں خلل پڑتا ہو اُسکی حرمت کو ظاہر نہیں کرتے اسی لئے وہ بہت سی باتوں کو
جنکو پہلے جائز کہتے تھے آج حرام کہنے لگے اور جن باتوں کو ہمیشہ سے حرام و ناجائز کہتے تھے
آج اسکی حرمت کو ظاہر نہیں کرتے۔ صاحبو! یہ غرض وہ چیز ہے جسمیں انسان دین سے اندھا
بنجاتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد — صد حجاب از دل بسوے دیدہ شد

چوں دہد قاضی بدل رشوت قرار — کے شناسد ظالم از مظلوم زار

یعنی جب قاضی کے دل میں رشوت کی طمع ہوگی اُس سے صحیح فیصلہ کی امید بیکار بلکہ دور از کار ہے شاید یہاں کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ پھر ایسے لوگوں کو تم اہل حق کیوں کہہ رہے ہو سو سُن لیجئے کہ میں نے انکو اہل حق عقائد کے لحاظ سے کہا ہے کہ ابھی تک شکر ہے اُنکے عقائد صحیح ہیں اگرچہ اس غرض پرستی کیساتھ عقائد کا بھی سخت اندیشہ ہے چنانچہ آجکل دیکھا جاتا ہے کہ اہل حق کی جماعت کے بعض افراد اُن اہل بدعت اور ملحدین کیساتھ باہم شیر و شکر ہو رہے ہیں جو انکو کافر کہتے تھے اور یہ اُنکو فاسق و فاجر کہتے ہیں بس حب فی اللہ و بغض فی اللہ کا اثر تو ابھی سے مٹ چلا ہے آگے خدا حافظ ہے غرض اہل حق میں سے بعض ہم جیسے بھی ہیں جنہوں نے دین کو اغراض کے تابع کر رکھا ہے وہ صاف کہتے ہیں کہ آخر مصلحت وقت بھی کوئی چیز ہے، یا نہیں بعض علماء سے آجکل کہا گیا کہ عوام بعض امور میں شریعت کی حد سے بہت دُور نکل گئے ہیں اسکی روک تھام ہونی چاہیئے تو وہ فرماتے ہیں کہ میاں جوش و خروش میں ایسا بھی ہو جاتا ہے کچھ پروا نہیں اسوقت تو کام ہونے دو پھر بعد میں مسائل کو بھی دیکھ لیا جائیگا انا للہ وانا الیہ راجعون اے صاحبو! آسمان نہیں پھٹ جاتا زمین شق نہیں ہو جاتی جب ایک عالم کی زبان سے یہ بیہودہ کلمات نکلتے ہیں افسوس مسلمان کی مصالح پر ایسی نظر بالخصوص ایک عالم کی نہایت شرم کی جگہ ہے مسلمان کو تو مصالح کی بارہ میں یہ کہنا چاہیئے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار — بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

بس ساری مصلحتوں اور تدبیروں کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو راضی کرلو سب کام بنجائیں گے ذرا اس تدبیر کو اختیار کر کے تو دیکھو اسی میں وعدہ ہے مال و جاہ و عزت و شوکت وغیرہ حاصل ہونیکا حق تعالیٰ فرماتے ہیں وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا اس آیت میں استخلاف فی الارض کا وعدہ ایمان و اعمال صالحہ پر مرتب فرمایا ہے اور اس استخلاف کی غایت بھی تمکین دین و عبادت مع التوحید بیان فرمائی ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ استخلاف فی الارض مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات ایمان و اعمال صالحہ و اتباع احکام ہے اسکے استحکام و حفاظت کیلئے سلطنت

بعض علماء کہتے ہیں کہ مصلحت وقت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں افسوس

سب تدبیروں کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو راضی کرلو

سلطنت مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود اتباع احکام ہے

عطا فرمانیکا بھی وعدہ ہے بس یہ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ آجکل مقصود بالذات کو تابع اور تابع کو متبوع بنایا جارہا ہے ایک دوسری جگہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون اس آیت میں عباد صالحین کیلیے وراثت ارض کا وعدہ ہے تو مسلمان کو ان آیات پر نظر کرکے احکام کا اتباع کرنا چاہیئے اور تمام مصالح کو تابع احکام بنانا چاہیئے انشاء اللہ یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا گو کسی وقت ظہور وعدہ میں دیر ہوجائے تو اس سے گھبرانا نچاہیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی تباہی کیلیے بددعا فرمائی تھی ربنا انک اتیت فرعون وملأہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ج ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم (ترجمہ) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (دعا میں) عرض کیا کہ اے ہمارے رب (ہمکو یہ بات کشف اور وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگئی کہ) آپنے فرعون کو اور اُسکے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں ای ہمارے رب اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے (لوگونکو) گمراہ کریں (پس جب ہدایت انکے مقدر میں ہے نہیں اور جو حکمت تھی وہ حاصل ہوچکی تو اب انکے اموال ونفوس کو کیوں باقی رکھا جائے پس) اے ہمارے رب انکے مالوں کو نیست نابود کردیجئے اور انکے نفوس کی ہلاکت کا سامان کردیجئے اسطرح کہ) انکے دلونکو (زیادہ) سخت کردیجئے (جس سے ہلاکت کے مستحق ہوجادیں) سو یہ ایمان نہ لانے پاویں (بلکہ روز بروز انکا کفر ہی بڑھتا رہے) یہانتک کہ عذاب الیم (کے مستحق ہوکر اُس) کو دیکھ لیں اس دعا کے بعد حق تعالیٰ کا فوراً یہ ارشاد ہوا قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعٰن سبیل الذین لا یعلمون ٥ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی (موسیٰ وہارون علیہما السلام مراد ہیں کیونکہ حضرت ہارون اس دعا پر آمین کہہ رہے تھے اور آمین کہنا بھی دعا میں شریک ہونا ہے) دعا قبول کرلی گئی سو تم (اپنے منصبی کام پر) مستقیم رہو اور اُن لوگوں کی راہ نہ چلنا جنکو علم نہیں پس باوجودیکہ دعا قبول ہوچکی تھی اور اُسکی قبولیت کی اطلاع بھی فوراً دیدی گئی تھی مگر مورخین نے لکھا ہے کہ ظہور اس دعا کا چالیس سال کے بعد ہوا مفسرین نے ولا تتبعٰن سبیل الذین لا یعلمون کی تفسیر میں لکھا ہے یعنی استعجال نکرنا جیسا کہ جاہل لوگ دعا کرکے اگلے ہی دن وحی کے منتظر ہوا کرتے ہیں سو سمجھو اگر آپ کسی طبیب کے پاس جائیں کہ مجھکو مسہل کی ضرورت ہے

مسہل جید و تو یہ بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ آج تمنے درخواست کی اور کل ہی دست آنے لگیں ہرگز نہیں بلکہ وہ اول منضج کا نسخہ لکھے گا مہینہ بھر اُسکو پینا پڑیگا اُسکے بعد وقت اور موسم کو دیکھکر مسہل دیا جائیگا پھر ہر مسہل کے بعد تبرید ہوگی پھر اگر مسہل میں کچھ کسر رہ گئی تو کوئی مسلین شربت مہینہ بھر پینا پڑیگا۔ غرض چار مہینہ کے بعد کہیں مسہل پورا ہوگا لوگ یوں چاہتے ہیں کہ صبح کو نسخہ پیکر شام ہی کو دست آجاویں سو بعضے طبیعت ایسی بھی ہیں لیکن وہ آپکو ایسا مسہل دینگے کہ مادہ کیساتھ روح کا بھی اخراج کردیگا ایک جاہل طبیب نے ایک شخص کو مسہل دیا تھا نہ معلوم جمالگوٹہ دیدیا تھا یا کیا اُسکو بیحد دست آنے شروع ہوئے لوگوں نے طبیب صاحب سے آکر کہا کہ دست بہت آگئے اب بند کردینے چاہئیں کہا نہیں ابھی اور آنے دو مادہ نکل رہا ہے کچھ دیر کے بعد لوگ پھر آئے کہ حکیم جی ضعف بہت ہوگیا دست بند ہی نہیں ہوتے کہا کچھ حرج نہیں مادہ فاسدہ نکل رہا ہے تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر اطلاع دی کہ وہ تو مرنے کو ہو رہا ہے کہا نہیں جب مادہ نکلجائیگا خود اچھا ہوجائیگا یہانتک کہ وہ اسی میں مرگیا لوگوں نے حکیم صاحب سے کہا کہ وہ تو مر بھی گیا تو آپ فرماتے ہیں اللہ رے مادے نکلنے میں تو یہ حال کیا کہ مار ڈالا اگر رہتا تو کیا حال ہوتا اس احمق سے کوئی پوچھے کہ موت سے آگے کیا ہوتا۔ تو آجکل لوگ یوں چاہتے ہیں کہ ہمکو ایسا ہی مسہل دیا جائے لیکن محقق طبیب ایسا کبھی نہیں کرسکتا وہ ہر کام کو موقع اور وقت دیکھکر کریگا اگر تم اُس سے یہ جاکر کہو کہ ہمنے کل نسخہ پیا تھا آج دست نہیں ہوئے تو وہ نسخہ لیکر پھاڑ ڈالیگا میری غرض اس مثال سے یہ ہے کہ بعض دفعہ تاخیر ظہور میں حکمتیں ہوا کرتی ہیں اور حقیقت میں وہ تاخیر تمہارے ہی واسطے مصلحت ہوتی ہے مگر چونکہ ہمکو اپنی مصلحت کا بھی علم نہیں ہوتا اسلئے وہ تاخیر ناگوار ہوتی ہے بس جن مصالح کیوجہ سے تم احکام الٰہیہ کو پامال کر رہے ہو وہ مصالح خود اتباع احکام پر موقوف ہیں یاد رکھو مسلمانوں کو ہرگز اس طرح فلاح حاصل نہیں ہوسکتی کہ وہ احکام الٰہیہ کو مصالح کے تابع بنادیں اور دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنالیں۔ باقی کفار کی حالت دیکھکر تمکو دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ وہ خدا کو ناراض کرکے بھی ترقی کر رہے ہیں بات یہ ہے کہ کفار خدا کے نزدیک حقیر ہیں اُنکی مثال ایسی ہے جیسے پیر کا جوتہ۔ اگر جوتہ میں ناپاکی لگجائے تو اُسکو پھینکا نہیں جاتا اور مسلمان خدا کے نزدیک محبوب ہیں اُنکی مثال ایسی ہے جیسے ٹوپی کہ اُس میں اگر ذرا سی بھی ناپاک چھینٹ پڑجاتی ہے تو اُسکو فوراً سر سے اتار پھینکتے ہیں تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آپکو بھی نعوذ باللہ جوتہ کیطرح بنادیں کہ آپ برابر گندگی میں ملوث رہیں اور آپکو اتار کر نہ پھینکا

تاخیر میں حکمت ہونے کی مثال

مسلمانوں کو اتباع احکام سے غرض ہونا چاہئے نہ کہ مصالح سے اور کفار کی ترقی اور مسلمانوں کی تنزلی کی مثال

جائے صاحبو! حق تعالیٰ آپ کو ٹوپی کیطرح معزز بنانا چاہتے ہیں لیکن اُسکی عزت یہی ہے کہ جہاں ذرا اُسمیں ناپاکی لگجائے فوراً سر سے اتار دی جائے پس خوب سمجھ لو کہ ترک احکام کے ساتھ یا احکام کو اغراض و مصالح کا تابع بناکر مسلمان کو کبھی فلاح حاصل نہیں ہوسکتی اور اگر بالفرض حاصل بھی ہو جائے تو رضاء الٰہی تو ہرگز نہ حاصل ہو گی کہ خود فلاح سے بھی وہی مقصود ہے کیونکہ فلاح دنیوی بھی وہی محمود ہے جو معین ہو جاوے رضائے حق میں چنانچہ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة خود اسپر شاہد بیّن ہے پس مسلمان کی اصل کامیابی رضائے حق ہے اور اس کی اصل کوشش اس کی طلب ہے جس کا طریق اتباع احکام ہے خواہ دنیا میں کسی حال میں رہے اور اس حالت میں جو حظ اور راحت مومن کو ہوتی ہے وہ سب کامیابیوں سے بڑھکر ہے اسی بنا پر حق تعالیٰ نے ایمان و اعمال کے ثمرات میں راہ حق پر ہونے کو بیان فرمایا ہے چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے اولٰئک علیٰ ھدًی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون یہاں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی جزاء میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں جن میں ایک جزاء دنیوی یعنی واقع فی الدنیا ہے علیٰ ھدًی من ربھم دوسری جزاء اُخروی یعنی واقع فی الاٰخرة ہے واولٰئک ھم المفلحون اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مسلمان کے لئے جس اصلی جزاء کا وعدہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہے اور سیدھے راستہ پر چل رہا ہے پس ہدایت پر ہونا ہی بڑی رحمت اور راحت کی چیز ہے جس کا مشاہدہ مجھکو ایک سفر میں اس طرح ہوا کہ ایکبار میں سہارنپور سے لکھنؤ جا رہا تھا اس لئے روڑکی جانیوالی گاڑی میں سوار ہوا تو وہاں میرے ایک دوست بھی بیٹھے ہوئے ملے جو پورے جنٹلمین تھے جب گاڑی چھوٹ گئی تو آپس میں باتیں ہونے لگیں میں نے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں بولے کہ میرٹھ جا رہا ہوں اُسوقت میں نے انہی کے محاورہ میں کہا کہ ممکن ہے آپ میرٹھ جا رہے ہوں لیکن افسوس ہے یہ گاڑی لکھنؤ جا رہی ہے۔ وہ غلطی سے بجائے میرٹھ کی گاڑی کے اس میں بیٹھ گئے تھے بس یہ سنکر اُن کی یہ حالت ہوئی کہ چہرہ سے پریشانی ٹپکتی تھی بات نہیں کر سکتے تھے سردی کا موسم تھا اور وہ حضرت بالکل بیک بینی و دو گوش تھے کیونکہ جنٹلمینوں

فائدہ: دنیا میں مسلمان کی اصلی جزا اس کا ہدایت پر ہونا ہے

حکایت: ایک جنٹلمین کی حکایت

میں یہ بھی مرض ہے کہ وہ سفر میں نہ کپڑے ساتھ لیتے ہیں نہ پانی پینے کا برتن ساتھ لیتے ہیں ایک مولوی صاحب جو کہ ریاست بہاولپور میں کسی اسکول میں پروفیسر ہیں وہ فرماتے تھے کہ ایک بار میں بہاولپور سے وطن کو آرہا تھا میرے ساتھ ٹھنڈے پانی کی ایک صراحی تھی اُس گاڑی میں ایک جنٹلمین سوار تھے وہ میرے برتنوں کو دیکھکر ہنسنے لگے کہ یہ بھنگیوں کے سے برتن آپ کہاں سے ساتھ لائے میں اسپر خاموش ہو رہا تھوڑی دیر میں اُن صاحب کو پیاس لگی تو اسٹیشن پر گلاس لے کر اُترے وہاں پانی نملا اور کئی اسٹیشن تک نملا تو اب اُن کا مارے پیاس کے بُرا حال تھا بار بار کن انکھیوں سے میری صراحی کو تکتے تھے آخر مجھے رحم آیا اور میں تختہ پر آنکھیں بند کر کے سوتا بنکر لیٹ رہا تھوڑی دیر میں وہ صاحب آہستہ آہستہ صراحی کے پاس آئے اور اُس سے منہ لگا کر پانی پینا شروع کیا مگر حالت یہ کہ ایک آنکھ میری طرف تھی اور ایک آنکھ پانی کی طرف بڑی گھبراہٹ میں غریب نے پانی پیا میرے جی میں آیا کہ فوراً اُس کا ہاتھ پکڑلوں مگر میں نے خیال کیا کہ بیچارہ پیاسا ہے جب پانی پی چکے گا پھر سمجھونگا چنانچہ جب وہ خوب پانی پی چکے اور وہاں سے اوٹھنے لگے تب میں نے ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن سے کیوں پانی پیا بس اب تو اُن پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور معافی چاہنے لگے میں نے پھر تو ان کی بدتہذیبی خوب ظاہر کی کہ تم تہذیب کا دعوے محض جھوٹا کرتے ہو تم میں خاک تہذیب نہیں میں کہتا رہا اور خاموش سنتے رہے۔

غرض کچھ سردی کا بھی خیال تھا مگر زیادہ پریشانی یہ تھی کہ بے راہ جارہے تھے کہیں لاحول پڑھتے ہیں کہیں اناللہ پڑھتے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ میاں اب جو ہونا تھا ہو گیا یہ گاڑی ظاہر اُرڑکی سے پہلے تو ٹھہر نہیں سکتی خواہ تم کتنے ہی پریشان ہو اس لئے پریشانی بیفائدہ اطمینان سے باتیں کرو میں تو اُن کو باتوں میں لگانا چاہتا تھا لیکن وہ اس سے جھنجلاتے تھے کہ واہ میاں تم کو ہنسی سوجھی ہے اور مجھے اپنی الجھن لگی ہوئی ہے اس حکایت سے میرا مقصود یہ ہے کہ میں نے اُس وقت اپنی اور اُن کی حالت کا موازنہ کیا تھا تو یہ ظاہر تھا

بعض سفر میں پانی اور برتن ساتھ نہ رکھنے سے تکلیف کی حکایت

کہ روڑکی پہونچنے سے پہلے نہ میں لکھنؤ پہونچا تھا نہ اُنکو میرٹھ جانا کچھ زیادہ دشوار ہوگیا تھا لیکن پھر میں اپنے آپ کو ایسا مطمئن پاتا تھا گویا کہ بادشاہ تھا کیونکہ مجھکو اس خیال نے راحت تھی کہ میں راہ پر ہوں اور وہ ایسے پریشان تھے جیسے کوئی مجرم پنجرہ میں قید کردیا جائے اُن کو اس خیال سے الجھن تھی کہ میں راہ پر نہیں ہوں اسی طرح جو لوگ پیادہ سفر کرتے ہیں جب وہ راستہ بھول جاتے ہیں اُسوقت کوئی اُن کی پریشانی دیکھے کہ ایک ایک قدم من بھر کا ہوجاتا ہے چلنا دشوار ہوجاتا ہے ابتو آپ سمجھ گئے کہ واقعی ہدایت پر ہونا بڑی رحمت ہے۔ خدا کی قسم جو شخص شریعت کے موافق چل رہا ہو وہ بادشاہ ہے گو ظاہر میں سلطنت نہو اور جو شخص شریعت سے ہٹا ہوا ہو وہ پنجرہ میں مقید ہے گو ظاہر میں بادشاہ ہو مسلمان متبع شریعت کو چونکہ یقین ہے کہ میں سیدھی راستہ پر ہوں اس لئے اُس کو ساری مصیبتیں سہل معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ چند دن کی مصیبتیں ہیں پھر ختم ہوجائنگی کفار کو یہ دولت نصیب نہیں کیونکہ اُنکو اپنی نجات کا کسی صحیح دلیل سے یقین ہی نہیں اور باطل کا خاصہ یہی ہے کہ اُس سے اطمینان وسکون کبھی حاصل ہوتا ہی نہیں ہاں کوئی جہل مرکب میں مبتلا ہو تو اور بات ہے مگر اُس کو بھی اہل حق کی برابر ہرگز اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا چنانچہ مصائب کیوقت جس قدر استقلال اہل حق میں ہوتا ہے کسی جماعت میں نہیں ہوتا صاحبو! راستہ تو یہ ہے کہ خدا کو راضی کرو احکام کا اتباع کرو شریعت میں گڑبڑ نکرو انشاء اللہ پھر کسی کی مجال نہیں کہ مسلمانوں کو نگاہ بھر کر بھی دیکھ سکے باقی جو راستہ تمنے اختیار کر رکھا ہے اُس کی تو یہ حالت ہے

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستانست

خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے اور اگر خدا راضی نہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کی جاوے۔ یاد رکھو سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو ساری عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی ہوگا او

خدا کی قسم متبع شریعت بادشاہ ہے گو بظاہر فقیر ہو

سلطنت قرب کا سبب نہیں اور اسکی دلیل

بعض کی ساتھ ایک بھی نہوگا تو کیا سلطنت نہونے سے ان انبیاء کے درجہ میں کوئی کمی آگئی اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی تو فرعون بڑا مقرب ہونا چاہیئے جس نے چارسو برس تک نہایت شان وشوکت کے ساتھ سلطنت کی تھی لا حول ولا قوۃ الا باللہ واللہ اس نبی کے مرتبہ کے سامنے جن کی ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا یا ایک بھی نہوگا سلطنت فرعون کی کچھ بھی حقیقت نہیں اتباع احکام کی دولت کے سامنے سلطنت بھی کوئی چیز ہے کہ اُس کی مصلحت سے دین میں تصرف کیا جاوے؟ اور احکام کو مصالح ملکی کا تابع بنایا جاوے ہرگز نہیں۔

الغرض ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو بعضوں کو علم نہیں وہ تو جہالت کی وجہ سے گناہوں میں زیادہ مبتلا ہیں اور بعضوں کو علم حاصل ہے تو علم صحیح حاصل نہیں اُنہوں نے غلط باتوں کو دین سمجھ رکھا ہے اور جن کو علم صحیح بھی حاصل ہے انہوں نے اُس کو اغراض ومصالح کے تابع بنا رکھا ہے۔ میں نے اسی سفر میں ایک پردیسی مولوی صاحب کو دیکھا ہے کہ پہلے اُن کے لڑکے انگریزی پڑھتے تھے اول تو یہی اُن کو زیبا نہ تھا کہ مولانا ہو کر اپنی اولاد کو انگریزی پڑھاویں لیکن خیر اگر اُنہوں نے یہ سمجھکر کہ دنیوی ضرورتوں کے لئے اس کا پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ درستئ دین کا اہتمام کرلیا جاوے اور اس کا اہتمام اُنہوں نے کرلیا ہوگا کیونکہ خود عالم تھے تو اب سنئے قوم نے اُن پر دباؤ ڈالا کہ انگریزی اسکولوں میں لڑکوں کو پڑھانا مُوالات میں داخل ہے اپنے لڑکوں کو اٹھاؤ آخر انہوں نے مجبور ہوکر لڑکوں کو وہاں سے اٹھالیا اور اپنے وطن بچوں کو بھیجدیا اور وہاں بھی اُن کو انگریزی ہی پڑھائی۔ بھلا اُن سے کوئی پوچھے کہ اگر تمنے لڑکوں کو اسکول سے اس لئے اٹھایا تھا کہ انگریزی پڑھنا پڑھانا حرام ہے تو پھر تین سو کوس پر اُن کو بھیجکر انگریزی ہی کیوں پڑھائی اور اگر تمھارے نزدیک انگریزی پڑھانا جائز تھا تو پھر محض قوم کے کہنے سے ایک جائز کام کو ترک کرنا اور لوگوں کی خوشامد کے لئے اُن سے دبنا یہ کب مناسب تھا بھلا خدا کا طالب ہو کر مخلوق کی رضاجوئی کرے اور خوشامد کرکے اُن سے دبے طالب کی یہ شان

حکایت ایک مولوی صاحب کی

طالب حق کو مخلوق سے نہ دبنا چاہئے

نہیں ہوا کرتی واللہ اہل علم کا تو یہ حال ہونا چاہئے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئی گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

اُن کو اپنی فقیری میں مست رہنا چاہئے اور کسی مالدار یا رئیس سے دین کے معاملہ میں طمع یا ملامت کی وجہ سے نہ دبنا چاہئے اور اگر کوئی بُرا بھلا کہے تو کہنے دو اس کی ہرگز پروا نکرو خدا کے طالب ہو کر کسی کی ملامت وطعنہ کی پرواہ نہونی چاہئے ہاں اگر کسی جگہ خوف کی صورت ہو تو شریعت سے استفسار کرو اگر وہ موقع خوف میں درجۂ اکراہ سمجھکر تمکو معذور سمجھے تو دبنے کا بھی مضائقہ نہیں لیکن طمع اور حرص اور خوف زوال منفعت کی وجہ سے دبنا ہرگز نہ چاہئے اسمیں علاوہ ذلت عند اللہ کے لوگوں میں بھی عزت نہیں ہوتی خدا کی قسم جن عوام کی یہ پروا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ ہماری ساتھ لگے لپٹے رہیں ہم کو چھوڑ کر الگ نہ ہو جاویں اول یہ لوگ انہی کی نظروں سے گرتے ہیں کیونکہ حرص وطمع چھپی نہیں رہتی اور حریص کی عزت لوگوں کی نظروں سے گر جاتی ہے ؎

بئس المطاعم حین الذل تکسبها
القدر منتصب والقدر محفوض

وہ کھانا بہت بُرا جس کو ذلت سے کمایا جاوے انجام کار یہ ہوگا کہ ہانڈی تو چڑھی ہوئی ہوگی اور عزت گری ہوئی قدر کی مناسبت سے ایک لطیفہ یاد آیا لکھنؤ میں ایک کھانا پکتا ہے جس کو شب دیگ کہتے ہیں ایک طالب علم نے اُس کا ترجمہ لیلۃ القِدر (بکسر القاف) کیا تھا شب کا ترجمہ لیلہ اور دیگ کا ترجمہ قِدر بس لیلۃ القدر بن گیا خوب سوجھی۔ لیلۃ القَدر تو سنا کرتے تھے اُس نے لیلۃ القِدر بھی ایجاد کر دی۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر حال میں احکام شرعیہ کو اپنا رہنما بنانا چاہئے خواہ مال ملے یا نہ ملے جاہ حاصل ہو یا نہو طعنے سننے پڑیں یا تعریف کسی بات کی پرواہ نکرنی چاہئے کسی کے بُرا کہنے سے انسان بُرا نہیں ہو جاتا اور کسی کے بھلا کہنے سے اچھا نہیں ہو جاتا یاد رکھو اگر تم خدا کے نزدیک اچھے ہو تو چاہے ساری مخلوق تم کو کافر وفاسق وزندیق کہے کچھ اندیشہ کی بات نہیں اور اگر خدا کے نزدیک مردود ہو تو چاہے ساری دنیا تم کو غوث وقطب کہے اس سے کچھ بھی

ف: خوف جان کی صورت میں دبنے کا مضائقہ نہیں طمع کی صورت میں دبنا بہت برا

ف: لطیفہ

نفع نہیں پھر یہ بھی ضرور ہے کہ اہل حق کو اگر آج برا کہا جائے گا تو انشاء اللہ کسی دن پھر اُن کو اچھا کہا جائے گا اور اہل باطل کی اگر آج مدح ہوگی تو کسی دن اُن کی قلعی ضرور کھلے گی اور اُن کے معتقدین ہی اُن کو برا بھلا کہیں گے شیخ ابن عربی رح کو اُن کے زمانہ میں بہت لوگوں نے کافر و زندیق کہا حتیٰ کہ مرنے کے بعد اُن کی قبر پر سالہا سال پاخانہ پڑتا رہا تو کیا جہلاء کے ان افعال سے نعوذ باللہ شیخ کا درجہ گھٹ گیا ہرگز نہیں تو اگر آج تم کو بھی لوگ برا بھلا کہنے لگیں تو کیوں ڈرتے ہو پھر ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ شیخ ابن عربی رح امام اور شیخ اور صدیق کہلانے لگے اور اُن کی قبر زیارتگاہ بن گئی حضرت شیخ نے اس کی نسبت پیشینگوئی بھی فرمائی تھی اذا دخل السین فی الشین ظہر المیم سین سے مراد سلطان سلیم ہیں اور شین سے مراد ملک شام ہے اور میم سے مراد خود حضرت شیخ ہیں مطلب یہ ہوا کہ جب سلطان سلیم ملک شام میں داخل ہوں گے اُس وقت محی الدین بن عربی کا ظہور ہوگا چنانچہ جب سلطان سلیم کا شام پر تسلط ہوا ہے اور شیخ کی قبر کا حال معلوم ہوا تو اُس کو گندگیوں سے صاف کرایا اور اُس پر قبہ تعمیر کیا اُس دن سے شیخ کی قبر زیارتگاہ خاص و عام بن گئی۔

امام غزالی رح کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوا سب کو معلوم ہے لوگوں نے اُن پر کفر کے فتوے لگائے اُن کی کتاب احیاء العلوم کو جلایا گیا تو کیا اس سے اُن کی وقعت کچھ کم ہو گئی ہرگز نہیں اس کے بعد ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ احیاء العلوم کو سونے کے پانی سے لکھوایا گیا اور آج امام غزالی کے نام کی جو وقعت ہے مخفی نہیں ہر شخص اُن کو حجۃ الاسلام اور امام کے لقب سے یاد کرتا ہے اور وہ لوگ جو امام غزالی اور شیخ ابن عربی کو کافر و زندیق کہتے تھے جن کی وقعت اُس زمانہ میں بہت کچھ تھی خدا تعالیٰ نے آج اُن کے ناموں کو ایسا مٹایا ہے کہ کوئی بھی اُن کا نام نہیں لیتا پھر اگر اتباع احکام کی وجہ سے لوگ تمہارا ساتھ چھوڑ دیں اور تم کو سب کے سب برا بھلا کہنے لگیں تو اس میں تمہارا نقصان ہی

آخر میں اہل حق کی مدح ضرور ہوتی ہے
شیخ ابن عربی کی حکایت

امام غزالی کی حکایت

اگر لوگ ساتھ چھوڑ دیں تو نقصان ان کا ہے

کیا ہے بہت سے بہت جاہ زائل ہو جائے گی بدنام ہو جاؤ گے سو یہ کوئی نقصان نہیں بلکہ عین منفعت ہے کیونکہ شہرت اور جاہ یہ وہ بلا ہے جو کہ دین و دنیا دونوں کو مضر ہے دینی ضرر تو یہ ہے ؎

اشتہار خلق بند محکم است	بند این از بند آہن کے کم ست
خویش را رنجور سازو زار زار	تا ترا بیروں کنند از اشتہار
اینت گوید نے منم انباز تو	آنت گوید نے منم ہمراز تو
او چو بیند خلق را سرمست خویش	از تکبر میرود از دست خویش

جب آدمی دیکھتا ہے کہ ساری دنیا مجھ پر فدا ہے تو اُس میں عجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے اپنے اوپر نظر کرنے لگتا ہے آخر کار اسی عجب و کبر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے افسوس بہت لوگ اس ورطہ میں آکر ہلاک ہو گئے یہ تو دین کا ضرر ہوا دنیا کا ضرر یہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

چشمہا و خشمہا و رشکہا	بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

یعنے مشہور آدمی کے حاسد بہت پیدا ہو جاتے ہیں بس صاحب جاہ کو نہ دین کی راحت ہے نہ دنیا کی اُس کا دین کبھی خطرہ میں رہتا ہے اور دنیاوی خطروں کا بھی اندیشہ رہتا ہے ہاں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بدون تمہاری طلب کے جاہ عطا ہو وہ نعمت ہے اُس میں دین کا خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ اُدھر سے تمہاری حفاظت کی جاتی ہے ہاں بعض دفعہ امتحان کے طور پر دنیوی خطرات ایسے شخص کو بھی پیش آجاتے ہیں لیکن جس کو خدا سے تعلق ہے وہ خطرات سے گھبرایا نہیں کرتا وہ سب کو خوشی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔

الغرض جاہ کا طالب ہونا بہت بُرا ہے اور طلب کے بعد جو جاہ حاصل ہوتی ہے اُس کی وہی حقیقت ہے جو میں نے اوپر بیان کی ہے۔ پھر یہ ساری عزت و جاہ محض خیالی چیز ہے اس سے تم میں کیا کمال پیدا ہو گیا مر گئے تو کچھ بھی نہیں اب تم مخلوق کی نظر میں اچھے ہوئے تو کیا بُرے ہوئے تو کیا بس آج کل عموماً ایسا ہی علم لفظی و رسمی دیکھا جاتا ہے جو جاہ طلبی میں برباد کیا جاتا ہے حالانکہ واللہ علم وہ جوہر ہے کہ اس میں خود ایسی لذت ہے جس کے سامنے

فائدہ: جاہ کی برائی

فائدہ: جو جاہ بدون طلب کے حاصل ہو وہ نعمت ہے

فائدہ: عزت و جاہ محض خیالی چیز ہے

سلطنت اور مال و دولت اور جاہ و عزت سب ہیچ ہے مگر ایسا علم محض کتاب خوانی سے میسر نہیں ہوتا ؏

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را

حقیقی علم حاصل کرنے کا طریقہ

یہ علم تو اس طرح حاصل ہوگا ؎

قال را بگذار و مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

اگر یہ دولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی کی جوتیوں میں جاکر پامال ہو جاؤ اگر وہ سر پر جوتے بھی مارے تو خوش رہو پھر چند روز کے بعد دیکھنا کہ تمہارے دل میں کیسا استغنا پیدا ہوتا ہے جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہوا ہوگا لیکن آج کل یہی بات تو نہیں رہی مولوی اول تو اہل اللہ کے سامنے جاتے نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم عالم ہو گئے اب ہم کو کسی کی کیا ضرورت ہے اور اگر کبھی پیر کی تلاش کا خیال ہوگا اور کسی کے یہاں جاویں گے تو ایسی جگہ تلاش کریں گے جہاں ان کی قدر ہو اور مشائخ بھی علم کا ادب کر کے علماء کی قدر زیادہ کرتے ہیں اب یہ حضرت اس کے منتظر ہوتے ہیں کہ پیر صاحب مجھے خلافت عطا فرما دیں پھر غضب یہ ہے کہ بعضے پیر بھی آج کل ایسے ہیں جو یہ سمجھکر کہ یہ عالم ہم سے وابستہ رہیں گے تو ان کی وجہ سے ہمارا سلسلہ بڑھے گا ایسوں کو خلافت بھی دیدیتے ہیں خوب یاد رکھو کہ ایسے طالب بھی خائن ہیں اور ایسے پیر بھی خائن ہیں بھلا اگر کسی مریض کو اپریشن کی ضرورت ہو اور ڈاکٹر اس خیال سے کہ یہ مریض مجھ سے خوش رہے گا تو زیادہ انعام دے گا بجائے اپریشن کے اُس کے زخم پر مرہم لگا دے تو کیا وہ ڈاکٹر خائن نہیں۔ یقیناً اُس نے خیانت کی اور بڑا ظلم کیا پس اے وہ شیخ جو کہ مریدوں کے مکدر ہو جانے کے خوف سے اُن کے امراض پر ان کو متنبہ نہیں کرتا خدا کے واسطے تو اُن کے حال پر رحم کر اور اے وہ ڈاکٹر جو اپریشن کی جگہ مرہم لگا رہا ہے خدا کے لئے ایسا ظلم نکر ورنہ یاد رکھ کہ آج اگر یہ مریض تجھ سے خوش بھی ہو گیا تو کل کو جب یہ زخم ناسور بن جائے گا اُس وقت یہ تیرے اوپر لعنت کریگا

بعض طالبین اور مشائخ کی خیانت

اس خیانت کی عجیب مثال

اسی طرح میں طالب سے کہتا ہوں کہ تجھکو طبیب کے نشتر دل پر صبر کرنا چاہیے جبھی یہ ناسور اچھے ہو سکتے ہیں ؎

زم گوید گرم گوید خوش بگیر — تا رہائی یابی از نار سعیر

اور اگر یہ نہیں بلکہ تم ہر ڈانٹ پر غصے ہونے لگے تو اس طرح تمھاری صحت دشوار ہے بھلا اگر کسی کے ناسور ہو اور وہ نشتر کے چبھانے پر طبیب سے خفا ہونے لگے تو اس شخص کی تندرستی کی کیا امید ہو سکتی ہے ؎

ور بہر زخمے تو پر کینہ شوی — پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

مولانا نے اس مضمون کو ایک حکایت کے ضمن میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

حکایت یہ ہے کہ ایک شخص ایک گودنے والے کے پاس گیا کہ میری پشت پر شیر کی تصویر بنا دے اُس نے اپنا کام شروع کیا اور ایک جگہ سوئی کو لگایا اس نے آہ کی اور پوچھا کیا بنا رہے ہو کہا منہ بنا رہا ہوں کہنے لگا کہ یہ شیر کھا نے بوے گا تھوڑا ہی جو اس کو منہ کی ضرورت ہو بس منہ کو رہنے دو اُس نے دوسری جگہ سوئی کو کچ سے چبھایا آپ نے پھر آہ کی کہ اب کیا بنا رہے ہو کہا دُم بنا رہا ہوں کہنے لگا کہ بعضے دُم کٹے شیر بھی ہوتے ہیں دُم کی ضرورت نہیں کچھ اور بناؤ اُس کو رہنے دو اُس نے تیسری جگہ سوئی کو چبھایا اُس نے پھر آہ کی کہ اب کیا بنا رہے ہو کہا آنکھیں بولا اس کو آنکھوں کی کیا ضرورت ہے کوئی دیکھنا تھوڑا ہی رہ گیا ہے اس کو بھی چھوڑو اُس نے چوتھی جگہ سوئی کو چبھایا آپ نے پھر آہ کی کہ اب کیا بنا رہے ہو کہا شکم کہنے لگا اونہہ اسے شکم کی کیا ضرورت ہے کچھ کھانا پینا تھوڑا ہی ہے تو مصوّر نے جھلّا کر سوئی پھینکدی اور کہنے لگا ؎

شیر بے گوش و سر و اشکم کہ دید — این چنین شیرے خدا ہم نافرید

بندہ خدا ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا جس کے نہ شکم ہو نہ منہ ہو نہ دم ہو نہ آنکھیں جب تجھکو سوئی کی تکلیف پر صبر نہیں تو شیر کی تصویر ہی کیوں بنواتا ہے جا اپنا کام کر ؎

[illegible] — حکایت

چوں نداری طاقت سوزن زدن — بس تو از شیر زیاں کم دم بزن

صاحبو! اگر علم حقیقی اور علم نافع حاصل کرنا چاہتے ہو تو اُس کا تو یہی راستہ ہے یہی طریقہ ہے نشتر اور زخم کھانے پڑینگے یعنے اپنی طرف سے اسکے لئے بھی آمادہ ہونا پڑے گا باقی اس کا میں تم کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جب تم اپنی طرف سے ہر طرح کی ذلت اور رسوائی کے لئے آمادہ ہو جاؤ گے تو پھر مشایخ کاملین تم سے سختی کا برتاؤ نہ کریں گے یہ حضرات بہت رحمدل اور شفیق ہوتے ہیں البتہ اگر تمھارے اندر عجب و تکبر کا مادہ رہا تو پھر یہ ناسور تو اپریشن ہی سے اچھا ہوگا اس کا تو یہی راستہ ہے اگر یہ راستہ پسند نہیں تو پھر تمھارا اس منزل میں آنا ایسا ہوگا جس کی بابت ارشاد ہے ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورھا ولکن البر من اتقی واتوا البیوت من ابوابھا۔

علم نافع حاصل کرنے کو نشتر زنی اور صبر لازمی ہے

ہر کام اصول سے اور انتظام ہی سے اچھا ہوتا ہے خلاف اصول جو کام ہوگا خراب ہوگا صاحبو! میں اس علم نافع کی ضرورت آپکو بتلا رہا ہوں یہ وہ علم ہے جو خلوص سے حاصل ہوتا ہے اس کی کوشش کیجئے اور یاد رکھئے کہ احادیث و قرآن میں جہاں علم کی فضیلتیں مذکور ہیں وہاں یہی علم مراد ہے جو خلوص کے ساتھ حاصل ہو اور جو علم طلب جاہ وغیرہ کے لئے ہو یا جو اغراض و مصالح کا تابع ہو وہ علم مراد نہیں چنانچہ اُس حدیث نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے تین شخصوں کو بلایا جائے گا اول شہید پھر عالم پھر سخی۔ شہید سے سوال ہوگا کہ تونے ہمارے واسطے کیا کیا وہ کہے گا الٰہی میں نے اپنی جان آپ کے واسطے فدا کر دی تھی ارشاد ہوگا جھوٹ کہتے ہو تم نے جان اس واسطے دی تھی تاکہ لوگ یہ کہیں کہ بڑا بہادر ہے لیقال انک لجری یعنی کیسی جان دی عدالت میں کیسا اظہار دیا بڑی جرأت سے جواب دیا فقد قیل یعنے لوگوں میں بہت تعریف ہو چکی اور تمھارا مقصد پورا ہو چکا پھر حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دو پھر عالم صاحب بلائے جائیں گے اُن سے بھی یہی سوال ہوگا کہ تم نے ہمارے واسطے

ہر کام اصول سے اچھا ہوتا ہے

اخلاص کی ترغیب اور ریا سے ترہیب

کیا کیا وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو پڑھایا فتوے دئیے مسئلے بتلائے - ارشاد ہوگا جھوٹ بولتے ہو بلکہ تم نے سب کچھ اس لئے کیا تھا تاکہ تم کو عالم کہا جائے فقد قیل بہت لوگ آپ کو مولوی ومولانا کہہ چکے خوب تعریفیں ہو چکیں اور تمہارا مدعا حاصل ہو گیا پھر حکم ہوگا کہ اس کو بھی گھسیٹ کر جہنم میں ڈالدو - اسی طرح سخی کے بارہ میں وارد ہے -

صاحبو! ریاء اور حب جاہ سے بچو یہ بہت بڑی بلا ہے - اب میں علم کی اس تقسیم کی بابت جو اس آیت میں وارد ہوئی ہے کچھ عرض کرکے بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں جو کچھ خدا تعالے نے میرے قلب میں ڈالا ہے میں وہ بیان کردوں گا گو اس سے بھی اچھی توجیہ ممکن ہو جس کے پاس اس سے اچھی توجیہ ہو وہ اس کو پیش کردے میرے نزدیک اس آیت سے تمام علوم درسیہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اس طرح کہ کتاب منیر سے تو مراد علم نقلی ہے کیونکہ کتاب میں اصل نقلی ہی ہونا ہی مگر مراد مطلق علم نقلی نہیں ہے بلکہ علم استدلالی مراد ہے چنانچہ علم کے مقابلہ سے اس کی تعیین معلوم ہوتی ہے اور ھدیٰ سے مراد علم عقلی ہے کیونکہ نقلی کا مقابلہ اسی کو مقتضی ہے لیکن یہاں بھی علم استدلالی عقلی مراد ہے مطلق عقلی مراد نہیں کیونکہ ھدیٰ میں معنے دلالت کے ماخوذ ہیں اور استدلالی کی یہی شان ہوتی ہے اور اس سے پہلے فرمایا ہے بغیر علم اس سے علم ضروری مراد ہے کیونکہ اگر اس سے علم عقلی یا نقلی کسبی مراد لیا جاوے تو تکرار لازم آئے گا اور اگر مطلق علم مراد لیا جاوے تو قسیم کا مقسم بننا لازم آئے گا - شق اول غیر مناسب اور شق ثانی ناجائز ہے اس لئے میرے نزدیک اس سے علم ضروری مراد ہے پس یہاں علم کی یہ اقسام مذکور ہیں - علم ضروری و علم کسبی اور کسبی کی دو قسمیں استدلالی عقلی و استدلالی نقلی ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ اس کی ساتھ یہ ملایا جاوے کہ مقاصد کے مقدمات بھی مقاصد کے حکم میں ہوتے ہیں لان مقدمۃ الواجب واجب - اب تمام علوم

درسیہ اس آیت میں داخل ہو گئے کیونکہ علوم درسیہ میں بعض علوم ضروریہ ہیں اور بعض استدلالی عقلی کی قسم سے ہیں اور بعض استدلالی نقلی میں داخل ہیں اور بعض علوم ان کے لئے مقدمات ہیں جیسے نحو و صرف و بلاغت وغیرہ اسی لئے میں اس وعظ کا نام (تعظیم العلم مع تقسیم العلم) رکھتا ہوں اگرچہ یہ نام طویل ہے مگر اس عنوان سے مضمون پر دلالت واضح ہے۔

خلاصۂ بیان

خلاصۂ بیان یہ ہے کہ علوم شرعیہ کی سخت ضرورت ہے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کیجئے اگر تمام علوم درسیہ کی تحصیل دشوار ہو تو بقدر ضرورت ہی حاصل کر لیجئے لیکن علم حاصل کرنے کے بعد بےفکر نہ ہو جانا کیونکہ مقصود محض علم ہی سے حاصل نہیں ہوتا ہاں یہ ضرور ہے کہ علم اس مقصود کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے اصل چیز کچھ اور ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

علم مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہے

ایں ہمہ گفتیم ولیک اندر بسیچ
بے عنایاتِ خدا ہیچیم و ہیچ

اصل مقصود جب حاصل ہوگا جبکہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کی کوشش اور آپ پر عنایت ہوگی چونکہ مولانا شیخ اور مربی ہیں اس لئے آگے اس کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ تم ان عنایات الٰہیہ کے مورد کیونکر ہو سکتے ہو ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یعنی خدا تعالیٰ سے بلاواسطہ تعلق حاصل نہیں ہو سکتا یہ عادۃ اللہ کے خلاف ہے بلکہ خاصان حق کے ذریعہ سے تعلق ہو سکتا ہے پھر تم بھی اُن کی طرح مورد عنایات ہو جاؤ گے اور نصرۃ الٰہی تمہارے ساتھ ہو جائے گی خاصان خدا سے جدا رہکر توفیق الٰہی تمہارے ساتھ نہیں ہو سکتی خوب سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ خاصان حق سے طریقہ اور تدبیر سیکھو اور خدا تعالیٰ سے دعا کرو پھر انشاء اللہ کامیابی میں دیر نہ ہوگی اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم و عمل مستقیم کی توفیق عطا فرماوے آمین وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

کامیابی کا طریقہ اور دعا

اسکے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے تھوڑی دیر تک حسب عادت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی پھر اہل مدرسہ کے اصرار پر طلبہ کو انعام اور سند وغیرہ اپنے ہاتھ سے عطا فرمائی اس سے فراغت پا کر جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا والحمد للہ علیٰ ذلک (جامع عفا اللہ عنہ)

تمت بالخیر